حبیب تنویر

آگرہ بازار

آزاد کتاب گھر
کلاں محل۔ دہلی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

طبع اول

تعداد ایک ہزار

اپریل ۱۹۵۴ء

قیمت -/۸/۱

یونین پریس۔ دہلی

آدمی کے نام

سب کتابوں کے کھل گئے معنی

جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

ناز اٹھانے میں جفائیں تو اٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

(نظیر)

اطہر پرویز کا ٹیلیفون آیا کہ ۱۴ مارچ کو جامعہ ملیہ میں انجمن ترقی پسند مصنفین جامعہ ملیہ کی طرف سے یوم نظیر منایا جا رہا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ میں اس سلسلے میں نظیر پر ایک ڈراما تیار کروا دوں۔ نظیر کے کلام سے مجھے دلچسپی تو مدت سے رہی ہے، مگر نظیر پر ڈراما لکھنے کا خیال کبھی نہ آیا تھا۔ انشا کے بارے میں البتہ سوچا کرتا تھا کہ اردو کے اس باکمال مگر نامراد شاعر کے کلام اور زندگی پر ایک بہت رنگین ٹریجیڈی لکھی جا سکتی ہے۔

نظیر کی نظموں کو ذرا غور سے دیکھا تو ہماری معاشرت کی بہت سی تصویریں نگاہ کے سامنے کھنچ آئیں، جن کی رنگینی انشا کیا، اردو کے بڑے سے بڑے شاعر کے کلام کو پھیکا کر دیتی ہے، اس کے نظموں کے آہنگ میں رجائیت اور افادیت کی گونج سنائی دی۔ اور میں اس خیال سے پھڑک گیا کہ نظیر کی آواز اردو کے ہر شاعر سے الگ ہے، مگر انسانیت کی آواز ہے، اور یہ ہمہ گیری کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔

نظیر سے متعلق جتنی کتابیں مل سکتی تھیں، وہ کتابیں سنبھالیں، اور ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ مطالعہ کے دوران میں نظیر کے کلام سے میری دلچسپی تو ضرور بڑھتی چلی

گئی۔ لیکن ساتھ ہی ڈراما لکھنے کے سلسلے میں میری اُلجھنیں بھی بڑھ گئیں۔ میں ڈرامے کے لیے "کش مکش" (Conflict) کی تلاش میں تھا، نظیر کے حالاتِ زندگی معلوم کر رہا تھا، اور ان حالات کی تصدیق و تحقیق کے لیے سندیں ڈھونڈ رہا تھا کہ مجھے یکایک اردو شاعری کی تاریخ کا سب سے بڑا ڈراما مل گیا۔

عام طور سے یہ مانا جاتا ہے کہ میر اور غالب کے زمانوں کے درمیان جو دور گذرا ہے اس نے کوئی ایسا شاعر پیدا نہ کیا، جو میر اور غالب کا ہم پلہ ہو۔ غالب کے دور میں اگر شعرا اپنی روایتوں کو یاد کرتے تو ایک آواز ہو کر بس یہی کہتے کہ "سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا"۔ غالب کے بعد نگاہ سیدھی اقبال پر پڑتی ہے، اور اقبال کے ساتھ کچھ حالی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہستیاں ہماری شاعری کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی شخصیت ہماری ساری توجہ جذب کر لیتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حالی، اقبال اور اقبال کے بعد جوش اور جدید شعرا کا کلام سب سے زیادہ اردو کے اس "فقیر شاعر" کا مرہونِ منت ہے، جو ہمارے ادب نے میر کے بعد اور غالب سے پہلے پیدا کیا، اور جس کا ذکر اردو ادب کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور اگر ملتا ہے تو یوں کہ جیسے لکھنے والا نظیر کا ذکر کر کے اس کی ذات پر بہت بڑا احسان کر رہا ہے۔

غور سے دیکھا جائے، تو نظیر کے کلام اور اندازِ بیان میں آج بھی اتنا تنوع اور اتنی گنجائش ہے کہ اس سے جدید شاعری بہت کچھ سیکھ سکتی ہے۔ ہماری شاعری بہ ہیئت اور موضوع کے ہزار انقلابات کے باوجود، آج تک غزل کا بہت گہرا اثر پایا جاتا ہے، اور ہماری اردو غزل کی فضا زیادہ تر ایرانی معاشرت کی پروردہ ہے۔ اُن پرانی ترکیبوں اور استعاروں، اُن پٹے ہوئے

لفظوں اور محاوروں سے عصر حاضر کے نغمے بوجھل ہیں، مگر عوام کی زبان اور ہندستانی لہجے میں بات کرنے کا سلیقہ آج بھی نظیر اکبر آبادی سے سیکھا جا سکتا ہے۔ نظیر اردو کا سب سے زیادہ "ہندستانی" شاعر تھا۔ جو حیثیت اردو ناول نگاری میں رتن ناتھ سرشار اور پریم چند کی ہے، وہی اردو شاعری میں نظیر اکبر آبادی کی!

نظیر لگ بھگ ایک سو سال زندہ رہا، اس کی زندگی میں اسے کسی ادیب نے نہ پوچھا، مرنے کے کم و بیش ایک سو سال بعد تک اس کا نام کسی نقاد کی زبان پر نہ آیا، مگر دو سو سال تک عوام نے نظیر کو زندہ رکھا، اس کے اشعار اور اس کی نظمیں سینہ بہ سینہ آج کی نسل تک پہنچا دیے گئے، عوام نے اپنی "امانت" کی بڑی ذمہ داری سے حفاظت کی، اور ہندستان کے شہر، دیہات اور قصبے آج بھی نظیر کے نغموں سے گونج رہے ہیں، درویش اور گداگر شمال سے لے کر جنوب تک آج بھی نظیر کی نظمیں گلی کوچوں میں گاتے پھر رہے ہیں۔ یہ نظیر کی زندگی اور کلام کا سب سے بڑا ڈراما ہے، اور ہماری تاریخ ادب کا سب سے دلچسپ باب!

ڈرامے کے اندر میں کلام نظیر کے اس پہلو کو اُجاگر کرنا چاہتا تھا، اور اسی کو میں نے اپنا موضوع بنایا۔

نظیر کے حالات زندگی معلوم کرنے کے سلسلے میں جو دشواریاں پیش آئی ہیں، خود یہ دشواریاں ڈرامے کے حق میں رحمت بن گئیں، ڈرامے کے موضوع اور تکنیک کے مقرر کرنے میں ان کا بھی ہاتھ ہے۔

نظیر کی سوانح کی چھان بین کرنے کے سلسلے میں لکھنے والوں نے اپنی ذہانت سے کام لے کر بڑی حاشیہ آرائیاں کی ہیں، اور جتنی تفصیلات ہمیں کتابوں کے

ذریعے نظیر کی زندگی کے بارے میں معلوم ہیں، ان میں سے اکثر شبہ سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ تاریخ پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی بات ہمیں واضح طور سے معلوم ہے تو بس یہ کہ اٹھارہویں، انیسویں صدی کے اس عظیم الشان شاعر کو متقدمین نے شاعر ہی نہ مانا، مقبذل گو کہہ دیا، لیکن عوام نے اس کے کلام کو سر آنکھوں پر اٹھایا اور یہی حقیقت ہمارے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

بس تو پھر ڈراما ہو یا مقالہ، نظیر کے بارے میں بات کہنے کی یہی ہے، مگر ڈرامے کے اندر یہ بات کس ڈھنگ سے کہی جائے گی، یہ میرے لیے ایک مسئلہ بن گیا۔ اس دشواری کا اثر ڈرامے کے روپ پر براہِ راست پڑا۔ میں نے پہلے تو یہ سوچا تھا کہ نظیر کی زندگی کے مختلف پہلو ڈرامے میں اُجاگر کروں، یا اس کی زندگی کے کسی ایک گوشے پر روشنی ڈالوں اور ایک چھوٹا سا ناٹک تیار کروں۔ مگر اس کے بارے میں تصدیق سے میں کیا کہہ سکتا تھا، اور اگر کہہ بھی لیتا، تو کہنے کی بات تو یہ نہ تھی۔

مجھے تو یہ کہنا تھا کہ نظیر کی عوام دوستی نے اسے حیاتِ دوام بخش دی ہے۔ اور نظیر فقیر اور درویشوں میں آج تک مقبول ہے۔ بس نظیر کی نظموں ہی میں مجھے ڈرامے کے لیے، ایک جدید طرز کا فقیروں کا "کورس" مل گیا، جو ڈرامے کی بنیادی کڑی ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس زمانے کے پڑھے لکھے متوسط طبقے نے نظیر کی انسان کی حیثیت سے تو تعریف کی، لیکن بہ حیثیت شاعر اس کو نظر انداز کیا۔ البتہ چھوٹے کام کرنے والے اور کاریگروں میں وہ مقبول رہا۔ بس مجھے کتب فروش اور پتنگ والے کے کردار مل گئے، جن کے بل پر ڈراما آگے بڑھتا ہے، اور

جن کی دو کانیں بازار کے دو اہم ترین مرکز ہیں۔

میں نے پڑھ رکھا تھا کہ نظیر راہ چلتے نظمیں کہا کرتے، اور چھوٹے پیشے والے لوگ اور بھکاری اکثر ان سے نظموں کی فرمائش کرتے، اور وہ ان کی بات کبھی نہ ٹالتے۔ خواہ یہ افسانہ ہو یا حقیقت، مجھے یہ بات بہت اچھی لگی، اس سے میرے ڈرامے کو بہت مدد مل رہی تھی، اور کلام نظیر پڑھنے کے بعد میں اس امر پر ایمان لانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ چنانچہ گلڑی والے کے کردار نے ڈرامے کے ہیرو کی شکل اختیار کر لی، اور یہیں سے مجھے اپنے پلاٹ کی بنیاد بھی مل گئی، اور ڈرامے کا منظر بھی، اور اس کا عنوان بھی!

پلاٹ کے اعتبار سے ڈراما افسانوی حیثیت رکھتا ہے، کہانی من گھڑت ہے، اور بہت چھوٹی اور سیدھی سادی! میں نے زور اس بات پر دیا ہے کہ کھیل کو اس روپ میں پیش کروں کہ جو بنیادی بات نظیر کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں، وہ ٹھیک ٹھیک اور دلچسپی کے ساتھ کہہ پاؤں۔

میں اس کی نظموں کو تاریخی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ ان نظموں کی بنا پر ہماری اس زمانے کی پوری معاشرتی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے، اس کلام کو اس عہد کے سیاسی اور سماجی پس منظر سے ہٹ کر سمجھنا دشوار ہے، اور اس دشواری نے ایک نئے کردار کی تشکیل کی، اور مداری کے مکالمے میرے ہاتھ آئے۔

ہماری ادبی تاریخوں میں یا تو ملک کے سیاسی اور سماجی حالات سرے سے ملتے ہی نہیں، یا اگر ملتے ہیں تو برائے نام۔ اور ہماری سیاسی تاریخوں میں ادبی اور معاشرتی حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ حالانکہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھنا اور سمجھنا غلط اور گمراہ کن ہے۔ چنانچہ مجھے دونوں قسم کی کتابوں کو

سامنے رکھ کر اور کاغذ پر تاریخیں جوڑ جوڑ کر حساب لگانا پڑا کہ ہماری تاریخ ادب اور سیاسی تاریخ میں کیا ربط ہے! اس جدوجہد کا نتیجہ بہت سے مکالموں کے علاوہ گھوڑوں کے سوداگر کا کردار ہے! اور اسی کاوش نے ڈرامے کا زمانہ مقرر کرنے میں بہت مدد پہنچائی۔

ڈرامے کا زمانہ لگ بھگ ۱۸۱۰ء ہے۔ اگر عام رائے کے مطابق ۱۷۳۵ء نظیر کی تاریخ پیدائش مان لی جائے، تو اس زمانے میں نظیر کی عمر کوئی ۷۵ برس کی ہوگی۔ ابھی ان کی زندگی کے ۲۰ سال اور باقی تھے، ۱۸۳۰ء وفات کا سال ہے۔ میں نے ڈرامے کے لیے یہ زمانہ کئی وجوہ کی بنا پر مقرر کیا۔

نظیر نے خان آرزو، شاہ حاتم، سودا و میر سے لے کر غالب تک کا زمانہ دیکھا۔ میر کے ساتھ اردو شاعری کا ایک دور ختم ہوتا ہے اور میر کا انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا تھا، جب کہ غالب کی عمر ۱۳ برس کی تھی۔ میں میر جیسے گراں قدر شاعر کے کلام کو سامنے رکھ کر نظیر کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا، اور ساتھ ہی یہ اشارہ بھی منظور تھا، کہ اسی زمانے میں اردو زبان نے اپنا وہ محبوب شاعر بھی پیدا کر دیا تھا، جو آگے چل کر غالب کہلائے گا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ شخصی حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اکبر ثانی برائے نام دلی کے تخت پر بیٹھے تھے، ملک میں انگریزوں کا اقتدار بڑھ رہا تھا، اور چاروں طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی تھی۔ اندرونی اور بیرونی حملوں سے دلی اور آگرے پر بار بار تباہی آ چکی تھی، اور شعرائے اردو دلی چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، اور لکھنؤ بہت تیزی سے ادبی مرکز بن چلا تھا۔ لکھنؤ میں نواب سعادت علی خاں کا دور دورہ تھا، اور اردو شاعری کا انحطاط، جو اس دور سے وابستہ ہے، شروع ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی اردو نثر پنپ رہی تھی، اور کلکتہ میں انگریزوں

47.6K

کے قائم ہوئے فورٹ ولیم کالج میں ترجمہ و تصنیف و تالیف کا کام بڑھ رہا تھا۔

یعنی اس دورِ انحطاط میں بھی ہمارے سماجی نظام میں وہ عناصر موجود تھے، جو آگے چل کر ترقی پسند قوت بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ پرانا سماجی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ رہا تھا، چاروں طرف افراتفری اور سیاسی بے چینی پھیل رہی تھی، لوگوں کی اقتصادی حالت دن بدن گر رہی تھی، اور ان حالات کا ردِ عمل ۴۷ سال بعد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی شکل اختیار کرنے والا تھا جس کا اثر غالب کی شاعری نے قبول کیا۔

ان سیاسی اور سماجی حالات کی روشنی میں نظیر کے کلام کو دیکھا جائے، تو اس کی سچائی اور گہرائی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مجھے انیسویں صدی کی ابتدا کا زمانہ ڈرامے کے لئے سب سے زیادہ معنی خیز اور مناسب معلوم ہوا۔ اس کی نظموں کا تاریخی تجزیہ کرنے کے لئے یہ دور بہت موزوں تھا۔

میں ڈرامے کی بنیاد نظیر کی زندگی کو نہیں، بلکہ اس کے کلام کو بنانا چاہتا تھا۔ ڈراما لکھنے کے دوران میں یہ بات بھی ذہن میں آئی کہ نظیر کو اسٹیج پر نہ لانا ہی بہتر ہوگا۔ اس سے نہ صرف میرے موضوع کے بہت سے مرحلے طے ہو گئے، بلکہ میری تکنیک پر بھی اس کا اچھا اثر پڑا، اور تکنیک اور موضوع کا گٹھاؤ بڑھ گیا۔

نظیر کے ہاں جو تصوف ہے، میں اسے ڈرامے کا موضوع نہیں بنانا چاہتا تھا، بلکہ اس کے بیش تر اشعار میں جو جوش، آہنگ اور انسانیت دوستی پائی جاتی ہے، میں چاہتا تھا کہ یہی ڈرامے کی روحِ رواں بن جائے۔ چنانچہ اگر میں ۷۵ برس بوڑھے نظیر کو اسٹیج پر لے آتا، تو اپنی بات صفائی سے نہ کہہ پاتا۔ اس کا اثر براہِ راست میرے موضوع پر پڑتا۔

پھر یہ کہ میں نظیر کو امر دیکھنا چاہتا تھا، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اس کا کلام زندہ جاوید ہے۔ اس کی شخصیت کے افسانوی پہلو کو بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا،

57.9K

چنانچہ نظیر کو سامنے نہ لاکر ہی میں اسے اپنی تاریخ ادب کے ڈرامے، کا سب سے بڑا ہیرو ثابت کرسکتا تھا' کسی اداکار کے لئے بہت مشکل تھا کہ اس ہیرو کو اپنی تمام عظمت کے ساتھ بعینہٖ اسٹیج پر پیش کردے۔

ایک مرحلہ یہ پیش آیا کہ اگر نظیر سامنے نہیں آتا تو پھر کیونکر اسٹیج پر اس کی موجودگی کی فضا اور دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی شخصیت کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش میں مجھے بہت سی نئی نئی باتیں سوجھیں' ان میں سے ایک نظیر کی نواسی کا کردار ہے' جس کا خیال مجھے اس بات سے آیا کہ عبدالغفور شہباز نے نظیر کے اکثر حالاتِ زندگی ان کی نواسی ولایتی بیگم سے معلوم کیے تھے۔

اسی طرح میں نے پہلے سوچا تھا کہ میر کو اسٹیج پر پیش کروں' مگر یہ ارادہ بھی ترک کردیا' البتہ علامتی کرداروں سے کام لیا' مثلاً تذکرہ نویس نہ صرف اس زمانے اور اس کے بعد کے تذکرہ نویسوں کی نمائندگی کرتا ہے' بلکہ اس کے کردار میں میر کی شخصیت کی بھی جھلک ملتی ہے۔ اسے ابوالقاسم میر قدرت اللہ' شیفتہ اور میر کی شخصیتوں کا امتزاج سمجھیے۔

روایتی شاعری کے انحطاط کی تصویر شاعر نما آدمی کے کردار میں' اور متوسط طبقے کی متضاد ذہنیت کا نقشہ اس کے ہمجولی کے کردار میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

خوانچے والوں، کمہار، پتنگ فروش وغیرہ کے کردار مجھے بڑی آسانی سے نظیر کی نظموں میں سے مل گئے'، ان نظموں کی ڈرامانگاری میرے کام آئی' یہاں تک کہ پتنگ فروش اور مداری کے اکثر مکالمے بھی مجھے نظیر کے اشعار ہی سے مل گئے۔

ایک مہینے کے مطالعے کے بعد ایک ہفتے کے اندر میں نے ڈراما لکھا' اور پھر جامعہ ملیہ والوں نے میرے ساتھ مل کر ایک ہی ہفتے کے اندر ڈراما تیار بھی کیا۔

46.1K

کام کرنے والوں میں جامعہ ملیہ کے اساتذہ، طلبا اور بچوں کے علاوہ کچھ دلی کے لوگ اور دلی کے آس پاس کے دیہاتوں کے مرد اور عورتیں بھی شامل تھیں، تغلق آباد، بدرپور اور اوکھلا گاؤں کی منڈلی بھی شریک تھی، اور اوکھلے کا ایک گدھا اور مینڈھا بھی۔ سب ملا کر کوئی ۷۵ آدمی بیک وقت اسٹیج پر آئے۔ اور ان کی رات دن کی جاں فشانی کا نتیجہ تھا کہ حاضرین میں سے ہر طبقے کے آدمی نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، اور اکثر لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے شہر میں بھی دکھایا جائے چنانچہ ڈراما موڈرن ڈرامٹک سوسائٹی کی طرف سے نئی دہلی میں ہو رہا ہے۔

خاص طور پر بیگم قدسیہ زیدی، بیگم انیس قدوائی، مسز ایلیزبتھ گابا، اور پروفیسر محمد مجیب کی سرپرستی نے ڈراما کرنے والوں کے حوصلے بہت بڑھائے، اور انھیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ ۱۹، ۲۰، ۲۴ اور ۲۵ اپریل کو ڈراما شہر میں دکھایا جا رہا ہے۔ پچاس ساٹھ آدمیوں کی کاسٹ ان دنوں اسی کی تیاری میں لگی ہوئی ہے، اور ان میں سے ہر شخص کے دل میں یہی ایک خیال ہے کہ:

ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجے — شراب عیش کو خوباں میں بیٹھ کر پیجے
بھرا ہے دل میں بہت شوق آہ کیا کیجے — نظیر آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

حبیب تنویر
۱۶ اپریل ۵۴ء

جامعہ نگر نئی دہلی

0.22K

نظموں کی فہرست

شہر آشوب، ۲۱

پیسہ، ۲۷

مفلسی، ۳۰

خوشامد، ۳۷

جنم کنھیا، ۳۹

بلدیو جی کا میلہ، ۴۵

ریچھ بازی، ۵۰

روٹی، ۵۴

اکبرآباد، ۵۷

غزل، ۶۳

آگرے کی تیراکی، ۶۸

زر، ۷۱

سراپا، ۷۳

مہادیو کا بیاہ، ۷۶

پیٹ، ۸۱

گگڑمی، ۸۳

تربوز، ۸۴

تل کے لڈو، ۸۴

کورا برتن، ۸۵

پتنگ، ۸۶

ریچھ کا بچا، ۸۷

بھولی، ۸۹

آدمی نامہ، ۹۲

0.35

بازار کے لوگ

سب سے پہلے یہ ڈراما انجمن ترقی پسند مصنفین جامعہ ملیہ کی طرف سے ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ء کو یوم نظیر کے سلسلے میں جامعہ ملیہ کے کھلے اسٹیج پر کھیلا گیا اس میں ذیل کے لوگ شریک تھے :۔

کورس کا پہلا آدمی	اشفاق محمد خاں
کورس کا دوسرا آدمی	اشتیاق محمد خاں
ککڑی والا	عبدالستار صدیقی
تربوز والا	اصغر حسن اصلاحی
لڈو والا	نعمان لطیف
برتن والا	مُجتبیٰ
پتنگ والا	محمد اقبال
کتب فروش	ضیاء الحسن فاروقی
مداری	راج کمار
شاعر نما آدمی	محمد زکریا انصاری
اس کا بھولی	ولی شاہجہانپوری
تذکرہ نویس	رشید نعمانی
پتنگ کا گاہک	رئیس مرزا

0.30

گھوڑوں کا تاجر	سید حسن
ریچھ والا	محرم علی
بندر	محمد نفیس
ریچھ	فیاض احمد
اجنبی	شکیل اختر فاروقی
کتاب کا گاہک	جنید الحق
خبیث (ایک دیہاتی مفلس الحال لڑکا)	لیاقت علی خاں
ایک لڑکی	سعدیہ
برف والا	پنڈت برف والا
درزی	حافظ محمد اسحٰق، ٹیلر ماسٹر
پنواڑی	مُنّے خاں پان والا
راہگیر	انیس احمد، محمد صدیق، احمد حسن
بچے	بدیعہ، نجمہ، سیما، شفق، طاہر، انور، افتخار، اقبال، ظفیر، شہاب، مہرالدین، عزیزالرحمٰن
گانے والوں کی ٹولی	اوکھلا، تغلق آباد اور بدرپور کی دیہاتی منڈلی
راہگیر گانے والے اور بیسویں صدی کے آدمی	جامعہ ملیہ کے استاد، طلبا اور اوکھلا گاؤں کے مرد، عورتیں اور بچے۔
قوال	
پنساری	
زچہ گیری گانے والیاں	
میلے والے	

بازار کے پیچھے

اسٹیج اور سٹنگ	ابوالکلام
لباس، فراہمی اشیاء	شعیب الرحمٰن
میک اپ	اختر حسن فاروقی، جمیل اختر، ایم ایس ستھیو
پرامٹنگ	اطہر پرویز، مسعود الحق
پردہ	سجاد علی، حبیب احمد
ڈائرکشن	حبیب تنویر

نوٹ:- جب یہ ڈراما اوکھلے میں کھیلا گیا، تو تقریباً ۷۵ آدمی بیک وقت اسٹیج پر آئے تھے۔ اگر یہ سہولتیں نہ ہوں تو بیس آدمی بھی اس ڈرامے کو کھیل سکتے ہیں، اس کی فضا پر اس چیز کا کوئی خاص اثر نہ ہوگا۔

مقام

آگرہ کے کناری بازار کا ایک چوراہا

زمانہ

سنہ ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ

وقت

ایک دن

کھیل کی مدت

تقریباً دو گھنٹے

پہلا ایکٹ

(دو آدمیوں کا کورس "شہر آشوب" گاتے ہوئے ہال کی پشت سے داخل ہوتا ہے اور ہال میں سے ہوتا ہوا اسٹیج پر جاتا ہے۔ یہ لوگ فقیروں کے لباس میں ہیں۔ کفنی پہنے، ایک ہاتھ میں کشکول اور تسبیح اور دوسرے میں ایک ڈنڈا اور رہے کے کڑے۔ حاضرین کی صفوں میں سے ہوتے ہوئے پردے کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حاضرین کو مخاطب کر کے نظم سناتے ہیں اور تال پر کڑے بجاتے جاتے ہیں۔

کورس :۔ ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند
ہو کس طرح نہ منھ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات
سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے اور کس کی کہیے بات
روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

کیا چھوٹے کام والے و کیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب
اٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب

0.02K

قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

جام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور — پیسہ کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور
کاپے ہے سر بھگوتے ہوئے اس کی پور پور — کیا بات ایک بال کٹے یا ترا شے کور
یاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ — پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ — وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اُجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے — مُلّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے — شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے

اس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند

(نظم پڑھتے ہوئے ایک دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے اسٹیج کے باہر چلا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی پردہ بڑی تیزی سے اٹھتا ہے۔ بازار پر عجب بے رونقی ہے۔ تل کے لڈو والا، گگڑی والا اور دوسرے پھیری والے آواز لگاتے ہیں، لیکن کہیں شنوائی نہیں ہوتی، بچے للچائی ہوئی نظروں سے خوانچہ والوں کو دیکھتے ہیں مگر دم نہیں مارتے۔ ان میں سے دو تین کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں، اور گاتے جا رہے ہیں "کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے"۔ اس منظر میں ایک نسوانی آواز طبلے اور سارنگی پر غزل گا رہی ہے۔ غالباً پان کی دوکان کے اوپر کوٹھے آباد ہیں۔ کچھ بھکاری بھیک مانگتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور کچھ راہ گیر بات چیت کرتے ہوئے۔ ان ملی جلی آوازوں سے بازار میں ایک دھیما دھیما شور برپا ہے، جو مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے ملتا جلتا ہے۔ پتنگ والے کی دوکان بند ہے۔ کتب فروش کے ہاں دو گاہک کھڑے کتابیں دیکھ رہے ہیں جب گگڑی والا

2.10K

یہاں اگر گگڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے، گاہک کتاب کی دوکان سے نکل کر پان والے کے ہاں پہنچ جاتے ہیں، اور کتب فروش اپنے حساب کتاب میں لگ جاتا ہے)۔

گگڑی والا:۔ (بائیں طرف سے داخل ہو کر، لڈو والے کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے) پھر تو میری جگہ پر بیٹھا ہے؟

لڈو والا:۔ ابے جا جا!

(گگڑی والا وہاں سے ہٹ کر کتب فروش کی دوکان پر آتا ہے، اور اس کے گاہکوں کو گگڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے)

گگڑی والا:۔ تازہ اور مزیدار گگڑی، پیسے کی چھ چھ! کرکری، ہری بھری گگڑی پیسے کی چھ چھ! کھا کر دیکھو بھائی صاحب، ریشم کی طرح ملائم، گنے کی جیسی میٹھی، خاص اسکندرے کی ہے۔ پیسے کی چھ چھ۔ کوئی گگڑی نہیں خریدتا؟

لڈو والا:۔ تل کے لڈو دھیلے کے دو دو۔ تل کے لڈو دھیلے کے دو دو۔ چکھ کے دیکھو میاں (ایک بچے سے) مصری کے سمان میٹھے! لو کھاؤ۔

(بچہ منہ پھیر لیتا ہے)

تربوز والا:۔ تربوز، ٹھنڈا تربوز، تربوز ٹھنڈا تربوز، کلیجے کی ٹھنڈک، آنکھوں کی تری، شربت کے کٹورے، ٹھنڈا تربوز، دل کی گرمی نکالنے والا، جگر کی پیاس بجھانے والا، شربت کے کٹورے تربوز ٹھنڈا تربوز (راہ گیر بے نیازی سے گزر جاتے ہیں)

(کچھ لوگ پیچھے کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں، گگڑی والا آواز لگاتا ہوا ان کی طرف بڑھتا ہے، اور ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنے میں ایک مداری دائیں طرف سے بندر لئے ہوئے داخل ہوتا ہے، اور اپنے تماشے سے عجب رنگ جما دیتا ہے۔ پھیری والے، بچے، لڑکے اور راستہ چلنے والے سب

0.63K

اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، شور تھم جاتا ہے۔ اور پہلی بار مداری کے فقرے صاف صاف سمجھ میں آتے ہیں۔ مداری دائیں راستے سے داخل ہوتا ہے، اور اسٹیج کے بیچوں بیچ اپنا کھیل جماتا ہے۔)

مداری :- (بندر نچاتا ہے) ہاں جرا ناچ دکھا دو ناچ، آگرہ سہر میں جرا ناچ دکھا دو! بچّہ لوگ جرا ہاتھ کا تالی بجاؤ۔ اچھا بتاؤ تو جرا ہولی میں مردنگ کیسے بجاؤ گے؟ (بندر مردنگ بجاتا ہے) اور پتنگ کیسے اڑاؤ گے؟ (بندر نقل کرتا ہے) اور بانکے بن کر جمنا جی کے میلے میں کیسے جاؤ گے؟ (بندر بانکے کی چال چلتا ہے) اور برسات آگیا تو؟ (بندر پھسل جاتا ہے) پھسل پڑو گے؟ ارے بھئی واہ۔ اور اگر جاڑا لگی تو؟ (بندر بدن میں کپکپی پیدا کرتا ہے) اور بڈھا ہو گئے تو؟ (بندر بڑھاپے کی نقل کرتا ہے) اور مر گئے تو؟ (بندر مر جاتا ہے) ہندو کو رام کی قسم اور مسلمان کو قرآن کی قسم، ذرا ایک ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اچھا اب بتاؤ بھلا نادر شاہ دلّی پر کیسا جھپٹا تھا؟ (بندر مداری کو ایک لاٹھی مارتا ہے) ارے تم تو سارے دلّی سہر کو مار ڈالو گے! بس کرو بڑے میاں بس کرو۔ اچھا! احمد شاہ ابدالی دلّی پر کیسا جھپٹا تھا؟ (بندر لاٹھی مارتا ہے) ہاں ہاں ہاں!!! اور سورج مل جاٹ آگرہ سہر پر کیسا جھپٹا تھا؟ (وہی نقل) اور آگرہ سہر میں کیا ہوا تھا؟ (بندر اِدھر اُدھر دوڑتا ہے) لوگ باگ بھاگ گیا تھا؟ (بندر لیٹ جاتا ہے) اور بہت سا آدمی مر گیا تھا؟ اور پھر نگی ہندوستان میں کیسا آیا تھا؟ (بندر بھیک مانگنے کی نقل کرتا ہے) اور پلاسی کے لڑائی میں لاٹ صاحب نے کیا کیا تھا؟ (بندر لاٹھی سے بندوق چلاتا ہے) فیر کر دیا تھا؟ او ہو ہو۔ اور بنگال میں کیا ہوا تھا؟ (بندر پیٹ بجاتا ہے اور کمزوری کا اظہار کرتا ہے) کال پڑ گیا تھا (بندر لیٹ جاتا ہے) لوگ باگ بھوک

سے مر گیا تھا؟ ــــ اور ہمارا کیسا حالت ہے؟ (بندر پھر پیٹ بجاتا ہے) اور کل ہمارا کیسا حالت ہو جائیں گا؟ (بندر گر جاتا ہے) پھر ہمارے کو کیا کرنا چاہیے؟ (بندر لوگوں کے پاس جاتا ہے اور پیروں پر سر رکھ کر لیٹ جاتا ہے) سلام کرو (بندر سلام کرتا ہے، لوگ کھسکنے لگتے ہیں)

گگڑی والا:۔ اسکندرے کی گگڑی۔ پیسے کی چھے چھے۔

لڈو والا:۔ تل کے لڈو، دھیلے کے دو دو۔ دھیلے کے دو دو۔

تر بوز والا:۔ تربوز، ٹھنڈا تربوز، تربوز ٹھنڈا تربوز۔

مداری:۔ سلام کرو۔ (بندر پان کی دوکان پر۔ عورتیں راستے کے قریب ہے، ایک آدمی کے پاس جاکر کھڑا ہو جاتا ہے اور سلام کرتا ہے)

گگڑی والا:۔ (اسی آدمی سے) کھا کے دیکھے، صاحب، ہری بھری، کرکری گگڑی (آدمی چلا جاتا ہے، مداری غصے میں جھپٹتا ہے اور گگڑی والے کے ہاتھ سے لڑکا چھین کر پھینک دیتا ہے۔ ساری گگڑیاں سڑک پر بکھر جاتی ہیں)

مداری:۔ بڑا آیا گگڑی بیچنے والا۔ ہم ایک لگڑی دینگا تو گگڑی وگڑی سب بھول جائیں گا۔

(گگڑی والا سر پیٹ کر وہیں بیٹھ جاتا ہے اور رونے لگتا ہے)

گگڑی والا:۔ میری گگڑی!

مداری:۔ ابھی تیرا بندر بنا کر رکھ دینگا۔ سالا آیا ہے گگڑی بیچنے۔ گگڑی دکھا دکھا کے ہمارا سب آدمی بھگا دیا۔ (مداری اسے ایک دھپ رسید کرتا ہے)

0.13K

لڈو والا :۔ ارے کیا بات ہے کاہے لڑ رہے ہو؟ (مداری کی طرف بڑھ کر)

تربوز والا :۔ مارو سالے اس مداری کے بچے کو! (لڈو والے کے پیچھے)

مداری :۔ ہمارا سب آدمی بھگا دیا۔ (بائیں راستے کی طرف پیچھے کو ہٹتے ہوئے)

گگڑی والا :۔ میں تو اپنی گگڑی بیچ رہا تھا۔ (دائیں کونے پر اسٹیج کے سامنے)

مداری :۔ گگڑی بیچ رہا تھا، یہی جگہ بچا تھا گگڑی بیچنے کے لئے۔

لڈو والا :۔ ارے تو اتنا بگڑتا کاہے ہے۔ تیرا آدمی وہ کاہے بھگانے لگا۔ ایسا بُرا سے آیا ہے کہ پیسے کا نام سُنتے ہی لوگ بھاگ جاتے ہیں۔ کس کے پاس پیسہ ہے بھیا۔

تربوز والا :۔ (لڈو والے سے) بھگوان جھوٹ نہ بُلوائے بھیا، دس دن سے ایک تربوز بھی نہیں بیچا ہے ہم نے۔

مداری :۔ ابھی وہ آدمی ہم کو پیسہ دے رہا تھا کہ بیچ میں اپنی گگڑی گھسیڑ دیا۔

لڈو والا :۔ اچھا بس جاؤ اپنا راستہ لو۔

مداری :۔ رستہ تمہارے باپ کا ہے؟

لڈو والا :۔ ابے مُنہ سنبھال کر بات کرنا سمجھا۔

مداری :۔ سارے جا جا۔

تربوز والا :۔ مار سالے کو۔

گگڑی والا :۔ (دائیں کونے سے) لوگوں کے پاس کھانے کو تو پیسہ نہیں ہے اس کا بندر دیکھنے کے لئے پیسہ دیں گے۔

لڈو والا :۔ جاتا ہے یہاں سے کہ دوں ایک (بائیں طرف بڑھتے ہوئے)

تربوز والا :۔ چل نکل یہاں سے (لڈو والے کے ساتھ بڑھتے ہوئے)

مداری: سالا بائیں کونے، ایسے آدمی سے تو اپنا بندر ہی اچھا ہے۔ (یہ کہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ بڈھو والا اور تربوز والا، دونوں اپنی اپنی جگہ پر بائیں طرف واپس آجاتے ہیں۔ مداری کے جانے کے بعد جیسے ہی یہ مڑتے ہیں، گگڑی والا بڑی تیزی سے بائیں راستے کی طرف بڑھ کر مداری کو گالی دیتا ہے۔ اور واپس آجاتا ہے)

گگڑی والا:۔ سالا!

(دونوں فقیر پیچھے کے دروازے سے ایک ساتھ گاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں، اور اسٹیج کے سامنے آکر حاضرین کو نظم سناتے ہیں۔ آخری بند پر ایک دائیں راستے سے اور دوسرا بائیں راستے سے باہر چلا جاتا ہے۔ آگے کی اکثر نظموں میں بھی یہ اسی راستے سے اندر آتے ہیں، اسی انداز سے نظم سناتے ہیں، اور انہی راستوں سے باہر جاتے ہیں۔)

کورس:۔

پیسہ ہی رنگ و روپ ہے، پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

تیغ و سپر اٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
میداں میں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسہ ہی رنگ و روپ ہے، پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے
پیسہ نہ ہو تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے

پیسے سے لالہ بھیا جی اور چودھری کہائے
بن پیسے ساہوکار بھی اِک چور سا دکھائے

پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں آدمی ہی کہانا بھی نام ہے
پیسہ جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسہ ہی جسم و جان ہے پیسہ ہی کام ہے
پیسے ہی کا نظیریہ آدم غلام ہے

پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

(باہر چلے جاتے ہیں)

(گگڑی والا جو اب تک سر پکڑے بیٹھا تھا، یکایک اُچھل پڑتا ہے۔ ایک نئے خیال سے اس کی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں)

گگڑی والا:۔ ارے واہ رے میرے یار، کیا سوجھی ہے؟ (پیچھے کے راستے سے جانا چاہتا ہے)

لڈو والا:۔ ابے کیا سوجھی؟

گگڑی والا:۔ بالکل نئی بات!

لڈو والا:۔ آتم ہتیا کی تو نہیں سوجھی؟

گگڑی والا:۔ آتم ہتیا کرے مورکھ۔ گیانی کے لیے سنسار میں بہت رستے کھلے ہیں۔ (دروازے کے پاس رُک کر)

تربوز والا:۔ کون سی گیان کی بات سوجھی ہے تجھے، ہم بھی تو سُنیں!

ککڑی والا:- جو سوچ نہیں سکتے، وہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ (بار بار روٹھتا ہے، اور پھر پیچھے چلا جاتا ہے)

لڈّو والا:- جور لگا کے دیکھیں گے۔

ککڑی والا:- اب دیکھتا ہوں کیسے نہیں بکتی ککڑی۔

تربوز والا:- بندر نچانے والے ہو کیا بھیّا؟

لڈّو والا:- بندر نچانے کے لئے کدھر سے پیسے آئیں گے، خود ناچ ناچ کر ککڑی بیچے گا۔

تربوز والا:- کیا بات ہے ہم کو بتا دو گے تو جات میں پھرک آ جائے گا کیا بھیّا؟

ککڑی والا:- بیوپار کی بات ہر کسی کو بتاتے رہے ڈکا پکّے پیسہ!
(تربوز والے کے پاس آ کر)

لڈّو والا:- بڑا آئیں مار خاں بنتا ہے۔ بتاتا کیوں نہیں کیا بات ہے؟
(کھڑے ہو کر ککڑی والے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

ککڑی والا:- نہیں بتاؤں گا کیا کرتے ہو کر لو!

لڈّو والا:- اچھا تو پھر لے! (ایک دھپ رسید کرتا ہے)

تربوز والا:- بڑا رعب گانٹھ رہا تھا۔ دُنیا بھر کو نچاؤں گا (اسٹیج کے سامنے دائیں کونے پر آ جاتا ہے)

ککڑی والا:- تو چپ رہ بیٹھا۔ (اس کی طرف بڑھ کر)

تربوز والا:- کیوں چپ رہوں؟

لڈّو والا:- یہ ہمارا آپس کا جھگڑا ہے۔ تم اس میں ٹانگ مت ڈالو جی۔
(دونوں کے بیچ میں آ کر)

0.31K

تربوز والا:۔ تم سمجھتے ہو زرا آواز اُٹھا کر ہر کسی کو دبا لو گے؟

لڈو والا:۔ چُپ رہتا ہے کہ تجھے بھی دوں ایک!

تربوز والا:۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟

لڈو والا:۔ تیرا باپ!

تربوز والا:۔ کیا کہا؟

لڈو والا:۔ پھر کہوں؟

تربوز والا:۔ کہہ کر دیکھ۔

کورس:۔ (پیچھے کے دروازے سے آتے ہیں۔)

یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر
جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

جو اہلِ فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی

بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی   یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

(دونوں دائیں بائیں طرف سے باہر چلے جاتے ہیں۔)

(فقیر کی آواز آتے ہی جھگڑا رُک گیا تھا۔ لڈو والا اور تربوز والا، دونوں اپنی اپنی جگہ پر اسٹیج کے دائیں حصے میں بیٹھے ہیں۔ اور ککڑی والا پان کی دوکان کے سامنے والی بنچ پر بیٹھا ہے۔ پان کی دوکان پر ایک آدمی کھڑا ہے۔ ککڑی والا اس کے پاس جاتا ہے)

ککڑی والا:- میاں آپ بُرا نہ مانیں تو ——— آپ سے کچھ پوچھوں۔

راہگیر:- کیا پوچھنا ہے؟

ککڑی والا:- آپ شعر کہتے ہیں؟

راہگیر:- نہیں تو! کیوں؟

ککڑی والا:- نہیں، پھر کچھ نہیں کہنا ہے۔

راہگیر:- عجب پاگلوں سے واسطہ پڑتا ہے! (بائیں راستے سے چلا جاتا ہے۔ پیچھے کے دروازے سے ایک شاعر نما آدمی داخل ہوتا ہے اپنے ہمجولی کے ساتھ)

شاعر نما آدمی:- (دروازے کے پاس رُک کر) کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں ؎

نہ ملی میرؔ اب کے امیروں سے تو   ہوئے ہیں فقیر اُن کی دولت سے ہم

ہمجولی:- سبحان اللہ۔

ککڑی والا:- (پاس جاکر) واہ وا میاں، واہ کیا کہتے ہیں! میاں ایک چھوٹی سی عرض ہے میری!۔

شاعر نما آدمی:- نہیں چاہیے بھئی ہم کو ککڑی۔

ککڑی والا:- جی نہیں مجھے کچھ اور کہنا ہے۔ اگر گھڑی بھر کے لئے میرے

ساتھ ایک طرف آجاتے ہیں)

شاعر نما آدمی :۔ کیا کہنا ہے، یہیں کیوں نہیں کہتے ؟

گگڑی والا :۔ آپ کو کشٹ تو ہوگا مگر بات کچھ ایسی ہی تھی۔ (آدمی کو ساتھ لے کر اسٹیج کے بالکل سامنے آتا ہے) سوال میرے پیٹ کا ہے۔ گگڑی بیچوں گا اور آپ کو جیون بھر دعا دوں گا۔

شاعر نما آدمی :۔ (کچھ جھنجھلا کر) کیا کہنا چاہتے ہو کہتے کیوں نہیں ؟

گگڑی والا :۔ اگر میری گگڑیوں پر آپ معاف کیجئے، آپ کو کشٹ تو ضرور ہوگا۔ پر..... مجھے ایک بات سوجھی ہے ! روز پھیری لگاتا ہوں صبح سے شام تک ! کئی ہفتے ہو گئے، دھیلے کی بکری نہیں ہوئی۔

شاعر نما آدمی :۔ میں نے کہہ تو دیا مجھے نہیں چاہئے تمہاری گگڑی !

گگڑی والا :۔ میں کب کہہ رہا ہوں ؟ بلکہ آپ میری یہ ساری گگڑیاں پھوکٹ میں ہی لے لیجئے۔

شاعر نما آدمی :۔ تمہیں مجھ سے کیا کام ہے ؟

گگڑی والا :۔ میں نے سوچا ہے کہ گا کر گگڑیاں بیچوں گا تو خوب بکیں گی۔

شاعر نما آدمی :۔ تو اس میں، میں کیا کر سکتا ہوں ؟

گگڑی والا :۔ اگر آپ دو چار شعر میری گگڑی پر لکھ دیتے تو میں آپ کا بڑا احسان مانتا۔

(شاعر نما آدمی قہقہہ لگاتا ہے)

شاعر نما آدمی :۔ ارے بھائی ہماری کیا حقیقت ہے۔ کہو تو کسی استاد سے لکھوا دیں تمہارے لئے، ایک پورا قصیدہ !

ہمجولی :۔ (جواب تک پیچھے کھڑا تھا، بڑھ کر دونوں کے بیچ میں کھڑا

ہو جاتا ہے) کیا بات ہے؟

شاعر نما آدمی:۔ کہتے ہیں کہ ہماری لگڑیوں پر دو چار شعر لکھ دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ کہو تو اُستاد ذوقؔ سے کہہ کر ایک نظم کیوں نہ لکھوا دوں اس نایاب موضوع پر!

ہمجولی:۔ بجا فرمایا ــــــ ارے بھائی اُستاد ذوقؔ کا نام سُنا ہے؟

لگڑی والا:۔ ہم کیا جانیں حضور گنوار آدمی!

شاعر نما آدمی:۔ بات تو بڑی سمجھ بوجھ کی کرتے ہو۔ گنواروں کو یہ کہاں سوجھے گی!

ہمجولی:۔ بادشاہ سلامت کے اُستاد ہیں، اگر تعریف کریں تو ذرّے کو آفتاب بنا دیں!

لگڑی والا:۔ اتنے بڑے شاعر، بھلا وہ سڑی سی لگڑی پر کیا شعر کہیں گے!

شاعر نما آدمی:۔ کیوں نہیں کہیں گے، شاعر جو ٹھہرے۔

لگڑی والا:۔ ہماری دربار تک کیا پہنچ ہو گی میاں!

شاعر نما آدمی:۔ کہو تو ہم پہنچا دیں۔

لگڑی والا:۔ آپ تو غریب آدمی کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

شاعر نما آدمی:۔ بھئی صاف بات یہ ہے کہ لگڑی جیسے حسین موضوع پر جب تک کوئی پائے کا شاعر زور آزمائی نہ کرے، حق ادا نہ ہو گا۔ اور ہم ٹھہرے نو مشق! اس لئے ہمارے بس کا تو یہ روگ نہیں ہے۔ (ہنستے ہوئے دونوں کتب فروش کی دوکان کی طرف بڑھ جاتے ہیں)

تربوز والا:۔ (شاعر نما آدمی کی طرف بڑھتا ہے اور اُسے راستے میں روک کر کہتا ہے) تربوز ٹھنڈا تربوز، شربت کے کٹورے! ذرا چکھ کے دیکھئے

صاحب، ٹھنڈا میٹھا تربوز!

شاعر نما آدمی :۔ بھئی دیکھو ایسے تو تمھارا مال بکے گا نہیں۔ ایسا کرو کہ تم بھی کسی مرزا یا میر صاحب سے کچھ شعر لکھوا لو اپنے تربوز پر، پھر اہلِ سخن کی داد میں ہم بھی خرید لیں گے تمھارے پاس سے تربوز! (ہنس کے آگے بڑھ جاتا ہے)

تربوز والا :۔ (دائیں طرف، لڈو والے کے پاس جا کر) جانتے ہو کیا بات تھی؟ ککڑی پر شعر لکھوانا چاہتے ہیں کسی شاعر سے!

لڈو والا :۔ ارے تو وہی شعر کیوں نہیں یاد کر لیتے جو مداری نے کہا تھا۔ کھاؤ ککڑی ککڑی نہیں تو دوں گا ککڑی! بس یہی گاتے پھرو، بڑی بکری ہو گی۔

تربوز والا :۔ ہاں اور کیا۔ (دونوں ہنستے ہیں)

لڈو والا :۔ (ہنس کر) شاعر اگر ککڑی تربوج پر شعر کہنے لگے تو پھر شاعری چھوڑ، ککڑی تربوج بیچنے لگے؟ (برتن والا اور دوسرے لوگ ہنستے ہیں)

تربوز والا :۔ اپنا تو وچار ہے تربوج بیچنا چھوڑ کے کویتا رچنا شروع کر دیں (دونوں ہنستے ہیں)، یا پھر یہ شہر ہی چھوڑ دیں!

لڈو والا :۔ پر جاؤ گے کدھر، سوال تو یہ ہے! چاروں اور لوٹ مار مچی ہوئی ہے!

تربوز والا :۔ ایک جندگی نے کیا نہیں دکھایا؟ بڑے بڑے بادشاہ در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں، تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں بھیا؟ چلیں بھئی، دن بھر پیر توڑنا تو کرموں میں لکھا ہے۔ تربوج! ٹھنڈا تربوج! آہستہ آہستہ آواز لگاتا ہوا نکل جاتا ہے)

شاعر نما آدمی :۔ (کتب فروش کی دوکان پر ایک کتاب دیکھتے ہوئے)، ملاحظہ کیجیے، کہتے ہیں ؎

دلّی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں
تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا

کتب فروش :۔ (اپنی مسند پر بیٹھے بیٹھے)، واہ وا! سبحان اللہ!

ہر چند میر بستی کے لوگوں سے ہے نفور
پر ہائے آدمی ہے وہ خانہ خراب کیا

ہمجولی :۔ (جو دوکان کے سامنے والی بنچ پر بیٹھا ہے) اور ایک جگہ کہتے ہیں :

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

لڈو والا :۔ (آہستہ آہستہ آواز لگاتے ہوئے)، تل کے لڈو دھیلے کے دو دو! (باہر چلا جاتا ہے)۔

کتب فروش :۔ سنا ہے جنون کے دورے پڑنے لگے ہیں ان دنوں میر صاحب پر!

شاعر نما آدمی :۔ دم غنیمت سمجھیے۔ اسّی سے اوپر عمر ہونے کو آئی۔

ہمجولی :۔ اور پھر کیا کیا زمانے دیکھے ہیں میر صاحب نے! اسی شہر میں عزیزوں کی بے وفائی دیکھی۔ گھر چھوڑا، وطن چھوڑا، دلّی چھوڑی کہ ایک زمانے میں سخن دانوں اور باکمالوں کا ملجا و ماویٰ تھی، در در کی خاک چھانی، ایرانیوں اور تورانیوں کے حملے دیکھے، افغانوں، روہیلوں، راجپوتوں، جاٹوں اور مرہٹوں کی دستبرد دیکھی، دیکھا کہ دلّی کی گلیوں میں خون کے دریا رواں ہیں، اور انسانوں کے

سر کٹوروں کی طرح تیر رہے ہیں۔ اپنا گھر آنکھوں کے سامنے لٹتے دیکھا۔ ع

"گھر جلا سامنے ایسا کہ بجھایا نہ گیا"

یہ سب دیکھا، اب لکھنؤ میں گوشہ نشین ہیں، اور فرنگیوں کی غارت گری دیکھ رہے ہیں! (شاعر نما آدمی دوکان سے نیچے اترآتا ہے، اور بنچ کے پیچھے جہاں کا ہمجولی بیٹھا ہے کھڑا ہو جاتا ہے)

کتب فروش :۔ سچ کہتے ہو بھائی! عجب گردشوں کا زمانہ ہے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سلطنت مغلیہ نہیں ہے، ایک زبردست قوی ہیکل شیر ببر ہے، جس پر سینکڑوں کتے بلیوں نے حملہ کر دیا ہے، اور اسے زخموں سے چور اور لاچار دیکھ کر آسمان سے چیل اور گدھ بھی جمع ہو گئے ہیں، اور ٹھونگیں مار مار کر اس کی تکا بوٹی کر رہے ہیں، اور وہ شیر ہے کہ نہ تو اسے کراہنے کی مہلت ہے نہ مر جانے کا یارا!

شاعر نما آدمی :۔ (کتب فروش کی طرف بڑھ کر) "وہ شیر ہے کہ نہ تو اسے کراہنے کی مہلت ہے نہ مر جانے کا یارا" واہ۔ وا۔ واہ۔ وا۔ کیا کہنے ہیں! ایک زخمی اور لاچار شیر ببر کی تشبیہ سلطنت مغلیہ کے لئے کس قدر موزوں ہے۔ اور پھر حملہ آور قوتوں کے لئے کتے، بلی چیل اور گدھ جیسے استعارے! بھئی بہت خوب مولوی صاحب، واللہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہ زبان اور یہ اندازِ گفتگو! ارے صاحب، اسی لئے تو دو گھڑی یہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم تو نام کے شاعر ہیں صاحب، آپ تو بات بات میں شاعری کرتے ہیں۔

کتب فروش :۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں! ہمیں بھلا شعر و شاعری سے کیا واسطہ؟ آپ صاحبان کی صحبت میں بات کرنے کا سلیقہ سیکھ لیا ہے، بس!

ہمجولی :۔ آپ دونوں حضرات کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں۔

شاعر نما آدمی :۔ (کتب فروش کے پاس بیٹھ جاتا ہے) ہماری کسر نفسی کہہ لیجیے، یا اپنا حسنِ ظن! بہر حال صاحب ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ دیوان بھی چھپوایا جائے، تو ایسے شخص سے، جو سخن فہمی میں اپنا جواب نہ رکھتا ہو۔

کتب فروش :۔ اور اپنا یہ ایمان ہے کہ شعر چھاپے جائیں تو اُس آدمی کے جو پاکیزہ دلی اور پاکیزہ خیالی میں آپ اپنی مثال ہو۔ (شانے پر ہاتھ رکھ کر) ہر کس و ناکس کے اشعار چھاپنا ہمارا پیشہ نہیں۔

ہجولی :۔ (شاعر سے) آپ کا دیوان تو اب مکمل ہو گیا ہوگا؟

شاعر نما آدمی :۔ صاحب شاعر کا کلام اس کی زندگی کے ساتھ ہی تکمیل پر پہنچتا ہے۔ بہر حال اتنے شعر ضرور ہو گئے ہیں کہ کتابی صورت میں آجائیں۔

کتب فروش :۔ لیجیے ۔۔۔ اور اس کا آپ نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا!

ہجولی :۔ تساہل! شاعر جو ٹھہرے۔

شاعر نما آدمی :۔ گھر کی بات تھی۔ سوچا کسی بھی وقت مسودہ آپ کے سپرد کر دوں گا کہ جو جی میں آئے کیجیے۔

کتب فروش :۔ غضب نہ کیجیے صاحب! کل ہی مسودہ میرے یہاں پہنچا دیجیے۔

کورس ۔۔۔ (داخل ہوتے ہوئے)

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجے — اور نہ ہو کام تو اُس ڈھب کی خوشامد کیجے
انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجے — اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چارون جسکو خوشامد سے کیا جھک کے سلام وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام ہیں کام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجے اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجے
پاک و ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجے کتّے بلّی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(باہر چلے جاتے ہیں)

شاعر نما آدمی :۔ (کتب فروش سے) واہ صاحب واہ واہ۔ وا! "وہ شیر ہے کہ نہ تو ٹُٹے کراہنے کی مہلت ہے نہ مرجانے کا یارا!" عہد حاضر کا مکمل نقشہ کھینچ دیا ہے آپ نے چند الفاظ کے اندر!

ہجولی :۔ لیکن کیا صاحب یہ نہیں ہو سکتا کہ شاعری کے اندر کوئی اس سارے ماحول کی تصویر کھینچ دے؟

شاعر نما آدمی :۔ میر صاحب کے یہاں جو یہ سوز و گداز ہے، اس افراتفری کی تصویر نہیں تو اور کیا ہے؟

ہجولی :۔ نہیں صاحب یہ تو انھوں نے اپنی ذاتی پراگندہ حالی کا رونا رویا ہے۔

کہ ع پراگندہ روزی پراگندہ دل

شاعر نما آدمی :۔ اس ایک فقرے پراگندہ روزی میں ایک دفترِ معنی

پنہاں ہے!

ہجولی :- اپنی روزی کا رونا ایک چیز ہے، اور دوسروں کی حالت بیان کرنا.........

شاعر نما آدمی :- (بات کاٹ کر) دُنیا بھر کا ٹھیکا لے رکھا ہے شاعر نے ؟

ہجولی :- جی نہیں میرا مطلب کچھ اور تھا۔

شاعر نما آدمی :- کیا مطلب تھا آپ کا ؟

ہجولی :- میرا مطلب یہ تھا کہ غزل کی صنف میں وہ وسعت نہیں کہ اس میں ہر مضمون اور ہر خیال نظم کیا جا سکے۔

شاعر نما آدمی :- آپ شعرائے ایران اور اساتذۂ ہند کی صدیوں کی روایتوں پر حملہ کر رہے ہیں، غزل جیسی حسین چیز دنیا کے کس ادب میں پائی جاتی ہے ؟

ہجولی :- میں اس کے حُسن سے انکار نہیں کر رہا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس میں اتنی گنجایش نہیں۔

شاعر نما آدمی :- جو چیز غزل میں نہیں کہہ سکتے، قصیدے میں کہیے۔

ہجولی :- قصیدے میں بادشاہوں کی تعریف کے سوا اور کیا کہے گا ؟

شاعر نما آدمی :- مثنوی میں تو سب کچھ کہہ سکتے ہیں !

(برتن والے کے ہاں دو چار دوست ابھی ابھی آکر بیٹھے ہیں، وہ اپنی ڈھولک، اور جھانجھ وغیرہ ٹھیک کرتے ہیں، اور گانا شروع کر دیتے ہیں)

برتن والا اور اُس کے ساتھی :-

یارو سنو یہ دودھ کے لٹیا کا بالپن	اور مدھ پوری نگر کے بسیا کا بالپن
موہن سروپ نرت کریا کا بالپن	بن بن کے گوال گوؤں چریا کا بالپن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال — پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پہ جھنڈولے بال
چلتے ہمک ہمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال — تھا نہیں کبھی جسودا کبھی نند لیں سنبھال

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر سے جا بجا — جس گھر کو خالی دیکھا اُسی گھر میں جا پھرا
مکھن، ملائی، دودھ جو پایا سو کھا لیا — کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

کوٹھی میں ہووے پھر تو اُسی کو ڈھنڈورنا — گولی میں ہو تو اُس میں بھی جامن کو بورنا
اونچا ہو تو بھی کاندھے پہ چڑھ کر نہ چھوڑنا — پہونچا نہ ہاتھ تو اُسے مُرلی سے پھوڑنا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

گر چوری کرتے آگئی گوالن کوئی وہاں — اور اُس نے آپکڑ لیا تو اُس سے بھلے ہاں
میں تو ترے دہی کی اُڑاتا تھا مکھیاں — کھاتا نہیں میں اُس کی نکالے تھا چیونٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

سب مل کے یارو کشن مُراری کی بولو جے — گوبند چھیل، کنج بہاری کی بولو جے
دوچور کہاری ناتھ بہاری کی بولو جے — تم بھی نظیر کشن بہاری کی بولو جے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن

کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

(ایک ضعیف العمر تذکرہ نویس دائیں راستے سے داخل ہوتا ہے۔ گگڑی والا جو اب تک گاتا [illegible] میں محو تھا، دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہے، اور اس کا راستہ روک کر مخاطب ہوتا ہے)

گگڑی والا:۔ صاحب آپ بزرگ آدمی ہیں۔ میری گستاخی معاف کیجئے گا۔ میری ذرا سی عرض سن لیجئے!

(تذکرہ نویس اس کی طرف دیکھتا ہے، اور تیوری چڑھا کر خاموش آگے بڑھ جاتا ہے)

تذکرہ نویس:۔ (کتب فروش کی دوکان پر پہنچ کر) السلام علیکم!

کتب فروش:۔ وعلیکم السلام۔ آئیے مولانا! (اپنی مسند مولانا کو دے دیتا ہے، اور خود دوکان کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ جاتا ہے)

شاعر نما آدمی:۔ (دوکان سے اتر کر بنچ پر بیٹھ جاتا ہے۔ غریب صبح سے آپ کی راہ تک رہا ہے، کہ آپ آئیں تو آپ سے دو چار شعر اپنی گگڑی پر لکھوائے۔ اور آپ نے اس کی بات کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا۔

تذکرہ نویس:۔ میں ایسے دیسوں سے بات کرکے اپنی زبان خراب کرنا نہیں چاہتا!

کتب فروش:۔ آپ بھی گویا میر صاحب کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ سنا ہے کہ دلی سے لکھنؤ کے سفر میں میر صاحب ایک لکھنوی کے ساتھ ایک ہی یکہ پر ہمسفر تھے اور سارے راستے خاموش رہے کہ کہیں زبان نہ بگڑ جائے!

تذکرہ نویس:۔ صاحب یہی روائتیں تو ہیں کہ آگے چل کر قوم کو زندہ رکھیں گی۔ ورنہ بربادی میں کسر کونسی باقی رہ گئی ہے۔ صاحب سنا ہے کلام پاک کا

ریختہ میں ترجمہ آگیا ہے۔

کتب فروش :۔ جی ہاں۔ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ موجود ہے اور اگر آپ کو مولوی عبد القادر کا ترجمہ درکار ہے تو کچھ روز انتظار کیجیے۔ ہفتے دو ہفتے میں وہ بھی آجائے گا۔

شاعر نما آدمی :۔ ترقی کا دور آرہا ہے مولانا!

کتب فروش :۔ ترقی کہہ لیجیے یا تنزل! بہر حال زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ جگہ جگہ چھاپے خانے کھل رہے ہیں۔ اور کلام پاک کے ساتھ ساتھ انجیل کے بھی ترجمے چھپ رہے ہیں۔ سنا ہے کلکتے میں ایک فرنگی ہے، جو سنسکرت، فارسی، ریختہ، اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔ اس نے وہاں ایک مدرسہ کھولا ہے، فورٹ ولیم کالج نام کا! وہاں ان زبانوں میں درس دیا جاتا ہے، اور اب تو سنا ہے کہ مشاعرے بھی وہیں منعقد ہوں گے!

شاعر نما آدمی :۔ ہم نے تو یہاں تک سنا ہے کہ دلی میں بھی ایک مدرسہ کھل رہا ہے، جہاں انگریزی زبان کی تعلیم، اور کیمیا اور طبعیات پر درس دیئے جائیں گے!

کتب فروش :۔ کفر و الحاد کا دور ہے۔ اس دور کو بدل دینے کے لئے بخدا کسی مجاہد کی ضرورت ہے۔ اور ہر طرف نامردوں کا جمگھٹ تو نظر آتا ہے، مجاہد کوئی نہیں!

ہمجولی :۔ زمانے کو ضرورت دراصل مجاہد کی نہیں، مولانا، بلکہ انسان کی ہے! آدمی کہیں نظر نہیں آتا!

شاعر نما آدمی :۔ (کھڑے ہو کر) تو ہم لوگ کیا جانور ہیں؟ (سب ہنس دیتے ہیں، شاعر نما آدمی بیٹھ جاتا ہے)

بجولی: ۔ درس و تدریس کا یہ نیا سلسلہ جو شروع ہو رہا ہے، میرا تو یقین ہے کہ آدمی بھی یہیں سے پیدا ہوں گے۔ ویسے بھی سارے ملک میں لوٹ مار مچی ہوئی ہے، جسے دیکھو اپنی بے روزگاری کا رونا روتا ہے۔ ان نئے انگریزی مدرسوں سے کم از کم یہ تو ہوگا کہ کچھ لوگوں کی روزی کا بندوبست ہو جائے گا۔

کتب فروش: ۔ (تذکرہ نویس سے) میرا تو خیال ہے مولانا، آپ کی ان تصنیفات، شرح حدیث، تبصرہ و تنقید، اور تذکرہ نویسی وغیرہ میں کچھ نہیں دھرا ہے۔ اب تو آپ بھی کچھ نئے راستے نکالنے کی فکر کیجیے۔ (اٹھ کر مولانا کے پاس بیٹھ جاتا ہے) میں نے اڑتے اڑتے کسی سے سنا ہے کہ دلّی میں چھاپہ خانہ آ رہا ہے۔ اور بہت جلد دیکھئے گا رسالے اور اخبارات چھپنے شروع ہو جائیں گے۔ سوچ رہا ہوں میں کتب خانہ کھولوں اور اخبارات کا بھی سلسلہ جاری کروں۔

تذکرہ نویس: ۔ میاں بہت برا وقت آیا ہے واقعی! ابھی کل کی بات ہے میں ابوالفتح صاحب کے مطب میں بیٹھا نصراللہ بیگ صاحب سے باتیں کر رہا تھا کہ کس طرح آگرہ اور دلّی کو ہوس کاروں نے لوٹ لیا۔ سلسلۂ گفتگو شعر و ادب تک پہنچا.... میر امن خاں کی دردناک داستان سنانے لگے کہ کس طرح سورج مل جاٹ نے ان کا گھر برباد کیا اور ان کی جائداد پر قابض ہوا۔ کہنے لگے کہ وہ اب کلکتے کے نئے فرنگی مدرسے میں بیٹھے قصۂ چہار درویش لکھ رہے ہیں۔ اور خواہشمند ہیں کہ میں بھی کلکتے چلا جاؤں۔ فارسی کی مدرّسی مل جائے گی۔ یہی رجب علی سرور نے کہلوا بھیجا ہے۔ خود نصراللہ بیگ اس بات پر زور دے رہے تھے۔

کتب فروش: ۔ (دوکان سے اٹھ کر، باہر جاتے جاتے رک کر) اب انھیں کو دیکھئے! فرنگی کی فوج میں رسالدار ہیں، اور مزے سے ہیں! (بائیں

راستے سے نکل جاتے ہیں)

شاعر نما آدمی :۔ سُنا ہے ان کے بھتیجے اسد اللہ کی شادی ہو گئی؟

تذکرہ نویس :۔ جی ہاں۔ بھئی عجب ذہین لڑکا ہے یہ اسد اللہ بھی اس کم عمری میں فارسی میں شعر کہتا ہے۔ اور واللہ خود میری سمجھ میں نہیں آتے۔

ہجولی :۔ اس کی عمر تو یہی کوئی تیرہ چودہ کی ہوگی؟

شاعر نما آدمی :۔ جی ہاں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ شیخ محمد ابراہیم ذوق کو دیکھیے، ۱۸، ۲۰ کی عمر ہوگی، اکبر ثانی کے دربار میں پہنچے، شاہ نصیر جیسے کہنہ مشق کا تختہ الٹ دیا اور اب استاد شہ ہیں۔ سارے دلی میں ان کا طوطی بول رہا ہے۔

تذکرہ نویس :۔ میاں اب کیسی دلی، کہاں کا دربار، اور کون سے اکبر ثانی؟ اکبر و عالمگیر وغیرہ کے بعد عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی اور اکبر ثانی، لوحِ سلطنتِ مغلیہ پر حرفِ مکرر کی طرح آتے ہیں اور اُجڑی ہوئی دلی کے خرابۂ وحشتناک میں، جس کا نام کبھی قلعۂ معلیٰ تھا، ایک لٹا پٹا دربار جم جاتا ہے، گھڑی بھر کے لیے شعر و ادب کی آواز بلند ہوتی ہے، پھر وحشیوں کا حملہ اور وہی ہو کا عالم! لوگ ادھر ادھر کی طرف یا دکن کی طرف بھاگ نکلے ہیں اور دلی کے گورستانِ شاہی میں پھر وہی گنتے لوٹتے ہیں، اور اُلو بولتا ہے! (دائیں راستے ایک گاہک داخل ہوتا ہے)

گاہک :۔ (تذکرہ نویس کو کتب فروش سمجھ کر) صاحب، منشی مرزا مہدی کا نادر نامہ ہوگا آپ کے یہاں؟ (کتب فروش ازار بند باندھتا ہوا بائیں طرف سے بڑی تیزی سے داخل ہوتا ہے)

ایک آواز :۔ (باہر اسٹیج کے بائیں طرف سے بہت غصے میں) کیا مولوی صاحب، عین دوکان کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، ہر روز آپ بھی! ارے بدبو

کے ناک میں دم آگیا ہے! (ایک اجنبی جو بازار میں ٹہل رہا تھا، گلی سے جھانک کر یہ باتیں بغور سنتا ہے، اور مولوی صاحب کو دیکھ کر قہقہہ لگاتا ہے)

کتب فروش :۔ نادر نامہ تو نہیں ہے۔ البتہ اس کا ترجمہ ریختے میں ہوا ہے۔ تاریخ نادری! وہ موجود ہے۔

گاہک :۔ اور قصہ لیلیٰ مجنوں؟

کتب فروش :۔ قصہ لیلیٰ مجنوں بھی امیر خسرو کا ختم ہو گیا مگر حیدری صاحب کا ریختے کا ترجمہ ابھی ابھی آیا ہے۔

گاہک :۔ زرا دکھلایئے۔ (کتب فروش گاہک کو لے کر اندر جاتا ہے)

(دیہاتیوں کی ایک ٹولی رنگین کپڑے پہنے نظم "بلدیو جی کا میلہ" گاتی ہوئی بائیں راستے سے آتی ہے، اسٹیج کے بیچ میں جم کر گاتی ہے، اور دائیں طرف سے چلی جاتی ہے)

میلے والے :۔

کیا وہ دلبر کوئی نویلا ہے — ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے — بھیڑ انبوہ ہے اکیلا ہے
شہری قصباتی اور گنویا ہے — زر اشرفی ہے پیسہ دھیلا ہے
ایک کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے — بھیڑ ہے خلقتوں کا میلا ہے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں — آکے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب دیوتوں کو جاتے ہیں — اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
بھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں — راس منڈلی بھجن سناتے ہیں

دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں   سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف گلبدن رنگیلے ہیں   نک پلک غنچہ لب چھبیلے ہیں
بات کے ترچھے اور گٹھیلے ہیں   دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں
خشک تر نرم سوکھے گیلے ہیں   ٹیڑھے بلدار اور نکیلے ہیں
جوڑے بھی سرخ اسبز پیلے ہیں   پیار الفت بہانے جھیلے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

نازنیں ہیں وہ سانولی گوری   جن کی نازک ہر اک پری پوری
کرکے چتون نگاہ کی ڈوری   دل کو چھینے ہیں سب برازوری
دھوم ناز و ادا جھکا جھوری   برج میں جیسے مچ رہی ہوری
گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری   چوری کیسی کہ صاف سرزوری

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کیا مچی ہے بہار جے بلدیو   عیش کے کاروبار جے بلدیو
دھوم بیل و نہار جے بلدیو   ہر کہیں آشکار جے بلدیو
ہر زباں پہ ہزار جے بلدیو   دم بدم یادگار جے بلدیو
کہہ نظیر اب پکار جے بلدیو   سب کہو ایک بار جے بلدیو

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

0.00

شاعر نما آدمی:۔ مولانا! سُنا ہے آپ شعرائے ریختہ کا کوئی تذکرہ لکھ رہے ہیں!

تذکرہ نویس:۔ جی ہاں، لکھ تو رہا ہوں۔ پر نہ جانے کیوں ......

شاعر نما آدمی:۔ کس منزل میں ہے؟

تذکرہ نویس:۔ گمرہی کی منزلوں میں بھٹک رہا ہے صاحب، اور کیا! میاں تنوز مرحوم کے ساتھ صحبت تھی۔ ان ہی نے اُکسایا تھا کہ کچھ لکھیے، ایک زمانہ تھا کہ دلّی اور اس کے گرد و نواح کے چکر لگے تھے۔ تنوز مرحوم کے علاوہ میر حسن، خواجہ میر درد، حضرت سودا، میر حسن، حضرت فغاں، سب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ یہ حضرات دنیا سے کیا اُٹھے کہ بزم ہی اُجڑ گئی!

کتب فروش:۔ (ایک دیہاتی لڑکے کو گزرتے دیکھ کر دوکان سے نکل آتے ہیں) ادھر آنا میاں! (لڑکا نہیں سُنتا) ابے ادھر آ بے بھیٹ! (لڑکا آتا ہے) اسسرے ریختہ نہیں سمجھتے۔ جب تک مغلظات نہ بکیے، سمجھتے ہیں عزت ہی نہ ہوئی۔ (لڑکے کو پیسہ دے کر) ذرا سامنے کی دوکان سے چار پان بنوا لا۔ (لڑکا پان کی دوکان پر چلا جاتا ہے، مولوی صاحب اپنی دوکان کے اندر)

تذکرہ نویس:۔ میر صاحب کوئی ۳۰ برس بعد وطن مالوف واپس آئے، علماء و فقراء سے ملے، عزت و توقیر ملی، پر ایسا کوئی مخاطب نہیں ملا کہ اس سے دلِ بیتاب کو تسلی ہو سکے۔ کہنے لگے کہ سبحان اللہ، یہی وہ شہر ہے کہ جس کے ہر کوچے میں عارف، کامل، فاضل، شاعر، منشی اور دانشمند تھے۔ آج وہاں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ اس کی صحبت سے لطف اُٹھاؤں۔ چار مہینے اس طور سے وطنِ عزیز میں گزارے، بہت رنج ہوا۔ اور واپس چلے گئے۔ (لڑکا پان لاتا ہے) سو وہ ان کا بزم میں آنا بس اتنا یاد ہے میر کہ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

غرض صاحب، اب کیسا تذکرہ اور کہاں کا تذکرہ نویس! بہر حال داستان پارینہ کا ایک زریں ورق اب تک ذہن کے کسی گوشے میں جگمگا تا رہتا ہے۔ عہد حاضر کی ظلمتوں نے اگر اس شمع کو بجھا نہ دیا تو ممکن ہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے کچھ چھوڑ جاؤں۔ ورنہ اب تو ہمارا دم بھی غنیمت سمجھو! (پیچھے کے دروازے سے ایک آدمی تیزی سے داخل ہوتا ہے۔ اور دائیں راستے سے نکل جاتا ہے۔ گگڑی والا اس کے پیچھے آواز لگاتا ہوا دوڑتا ہے اور اس کے ساتھ ہی باہر نکل جاتا ہے۔)

شاعر نما آدمی :۔ مولوی صاحب میرا دیوان چھاپنے پر مصر ہیں۔ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو بیری اصلاح بھی ہو جاتی اور بہت ممکن ہے کہ آپ کو شعراء کا تذکرہ لکھنے کے سلسلے میں ایک نئی تحریک بھی ہوتی۔

تذکرہ نویس :۔ نئی تحریک تو خیر اب کیا ہوگی، بہر حال خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں (وہی آدمی دائیں راستے سے اندر آتا ہے اور بائیں سے نکل جاتا ہے۔ گگڑی والا اب تک اس کے پیچھے لگا ہوا ہے مگر بیچ اسٹیج پر پہنچ کر رک جاتا ہے آواز کی گرمجوشی کم ہو جاتی ہے۔ پان والے کی بیچ کی طرف آہستہ آہستہ واپس جاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے)

کتب فروش :۔ (گاہک سے) نہیں صاحب، فارسی کا لیلیٰ مجنوں ختم ہو گیا۔ آپ سے میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔ (گاہک چلا جاتا ہے)

تذکرہ نویس :۔ اب یہ زمانہ دیکھئے کہ کتب خانوں میں فارسی کی کتابیں عنقا ہو رہی ہیں۔ شعر بھی بہ نثر ہی میں لکھی جاتی ہے پھر کوئی کیا تذکرہ لکھے اور کس کے لئے؟

کتب فروش :۔ خوب یاد آیا۔ میاں نظیر کے ایک شاگرد حال ہی میں میرے پاس آئے ان کی ایک نظم لیلیٰ مجنوں لے کر، کہ آیا ہیں اسے اپنے رسوخ سے شائع

کروا سکتا ہوں۔ اب بھلا بتایئے کون پڑھے گا میاں نظیر کا کلام!

(تین چار آدمی اسٹیج پر سے قہقہہ لگاتے ہوئے گزر جاتے ہیں گگڑی والا ان کے پیچھے دوڑتا ہے "پیسے کی چھے چھے! پیسے کی چھے چھے!" لوگ نکل جاتے ہیں گگڑی والا ناامید ہو جاتا ہے، اس کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے اور لہجے میں مایوسی آجاتی ہے۔ آدمیوں کے پیچھے آہستہ آہستہ آواز لگاتا ہوا گزر جاتا ہے)

شاعر نما آدمی :۔ صاحب! ایک زمانہ آنے والا ہے کہ یہی بازاری چیزیں چلیں گی۔ ہولی یا دیوالی پر کچھ تک بندی کر لیجیے، علم و فضل کی معراج پر پہنچ جایئے گا آپ! یہ تو ذوق کا عالم ہے آج کل! ابھی ابھی یہ گگڑی بیچنے والا میرے پاس دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا صاحب میری گگڑی پر نظم کہہ دیجیے۔ اب بھلا بتایئے!

باہر سے ایک آواز :۔ تم سے ایک بار کہہ دیا نہیں چاہیے، گگڑی دماغ خراب ہو گیا ہے؟

گگڑی والا :۔ (باہر سے) نہیں میاں۔ وہ بات یہ ہے....

آواز :۔ بس کہہ دیا نہ مجھے گگڑی خریدنی ہے نہ میں شعر کہہ سکتا ہوں۔ پریشان کر دیا!

(قوال پیچھے کے دروازے سے ٹہلتا ہوا آتا ہے، اور برتن والے سے مخاطب ہوتا ہے۔)

قوال :۔ بڑی ڈھولکیں بج رہی تھیں تیرے ہاں آج رامو؟

برتن والا :۔ لڑکا ہوا ہے میرے ہاں!

درزی :۔ ارے بھئی محمد خان! رامو کے گھر میں لڑکا ہوا ہے، اور وہ بھی

74.9

پہلا لڑکا: کچھ سناؤ گے نہیں اس خوشی میں؟

قوال:۔ ہاں ہاں ضرور۔

درزی:۔ پھر لو، سنبھالو طبلہ پیٹی، ہو جائے کوئی پھڑکتی ہوئی چیز۔

(محمد خاں قوالی کی دھن میں نظم سناتا ہے، دو چار ساتھی اس کے ساتھ گانے میں شریک ہو جاتے ہیں)

پھبتا ہے اس کو یارو دم عاشقی کا بھرنا — ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا
جس گھاٹ حسن اُترے اُس گھاٹ ہی اُترنا — جس ڈھب کا حسن دیکھا اُس ڈھب ہی کر گزرنا

سو کر و فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

تصویر سی کسی کی صورت جو دی دکھائی — تو بن کے پھر مصور تصویر ہی بنائی
گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی — اس شکل سے ہی اکثر کی حسن کی کمائی

سو کر و فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا — اور بن کے ریچھ والے سونٹا کڑا سنبھالا
کشتی سے کھڑکھڑایا اور آپ کو اچھالا — اس ریچھ نے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا

سو کر و فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

کھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر — بکرا بھی لا بٹھایا اس کام کا سمن
جب ڈگڈگی بجائی کوچے گلی کے اندر — لڑکے ہزار بولے آؤ میاں قلن

سو کر و فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے　　سیروں میں دال موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
گھاٹوں میں جا چبینے نقد و اُدھار بیچے　　چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے

سو کرو فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھی جو نرم و نازک اِس حسن کی کلائی　　منیہار بن کے چوڑی ہاتھوں میں کھنکھنائی
بیچے بہت کھلونے اور جو بن پہ آئی　　آخر بھکاری بن کر کی حسن کی گدائی

سو کرو فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لازم ہے اس کو یارو، عاشق وہی کہاوے　　جو اس طرح کی گھاتیں کر حسن کو رجھاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے　　لگے نظیرؔ کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے

سو کرو فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(ایک لڑکی بائیں راستے سے گاتی ہوئی اندر آتی ہے، اور بھولا رام پنساری کی دوکان پر جا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔)

لڑکی :۔ "کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے
چاچا! نانا نے آم کا اچار منگایا ہے!

لالہ جی :۔ کہاں بیٹھے ہیں میاں نظیرؔ؟

لڑکی :۔ رائے صاحب کے یہاں بیٹھے ہیں! میں بتاؤں؟ رائے صاحب نے نانا کے لئے بیسن کی روٹی پکائی ہے!

لالہ جی :۔ اچھا تو اس لئے اچار کی یاد آئی! ــــ لو!

(لالہ جی مٹکی میں سے چنگل بھر دونے میں رکھ اچار لڑکی کے حوالے کرتے

کرتے ہیں، اور اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ لڑکی بائیں راستے سے گاتی ہوئی چلی جاتی ہے)

ہجولی :۔ مولانا! آپ کی نظر میں میاں نظیر آج کے شعرا میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

تذکرہ نویس :۔ (ایک کتاب دیکھتے ہوئے) بھئی بہت باغ و بہار آدمی ہے! خوش مزاج، شگفتہ افتاد، ہر شخص سے ہنس کر ملنے والا، کسی کا دل نہ دکھانے والا، ایسا کہ شاید جس کی مثال دنیا میں مشکل سے ملے گی! لیکن شاعری آں چیزے دیگر است! فحش کلامی، ہرزہ گوئی، ابتذال، اور عامیانہ مذاق کی تک بندی کو ہم نے شعر نہیں مانا! میاں نظیر کو شاعر ماننا ان پر بہت بڑا بہتان ہوگا۔ شعرا کے تذکرے میں ان کی کوئی جگہ نہیں!

(تربوز والا اٹھ کر آہستہ آہستہ آواز لگاتا ہوا باہر چلا جاتا ہے۔ بائیں راستے سے لڑکی واپس آتی ہے)

لڑکی :۔ "کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(لالہ جی سے) چاچا! نانا نے اچار واپس کر دیا۔

لالہ جی :۔ کیوں؟

لڑکی :۔ (منہ ہی منہ میں ہنستی ہے) یہ پڑھ لیجیے!

(لالہ جی پرچہ پڑھتے ہیں، دونا لڑکی کے ہاتھ سے لے کر دیکھتے ہیں اور بڑے زور کا قہقہہ لگاتے ہیں۔ لڑکی اسی طرف سے بھاگ جاتی ہے)

برتن والا :۔ کیا بات ہے بھئی؟

لالہ جی :۔ سنو! میاں نظیر نے ایک نئی نظم کہی ہے۔ ایک بند مجھے لکھ کر بھیجا ہے:

پھر گرم ہوا آن کے بازار چھوں کا
ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چھوں کا
سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چھوں کا
جلدی سے کچومر سا کیا مار چھوں کا
کیا زور مزیدار ہے آچار چھوں کا

(ہنسی سے بے قابو ہو جاتا ہے۔ اور دونے میں سے مصالحہ میں لت پت ایک مرا ہوا چوہا نکالتا ہے، اور کہتا ہے) پتہ نہیں یہ سالا چوہا کہاں سے اچار کی مٹکی میں گھس گیا تھا مرنے کے لئے!

(برتن والا، درزی وغیرہ ہنستے ہیں)

شاعر نما آدمی :۔ حضور! یہ ہے میاں نظیر کا معیارِ سخن!

کتب فروش :۔ تعجب اس بات پر ہے کہ میاں نظیر شریف گھرانے کے آدمی ہیں! جاہل اور گداگر، اُن کی چیزیں گاتے پھرتے ہیں۔ انھیں اپنا نہ سہی، اپنے خاندان کی عزت کا تو خیال ہونا چاہیے!

تذکرہ نویس :۔ صاحب! جس شخص کی تمام عمر پتنگ بازی، میلے ٹھیلوں کی سیر، آوارہ گردی اور قمار بازی میں گزری، اسے کیا شرم و حیا!

شاعر نما آدمی :۔ اب تو خیر آخری عمر میں ایک صوفی صافی کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں، ورنہ سنا ہے عہدِ شباب میں یہ عالم تھا کہ بازار کے لونڈوں کے ساتھ گانے بجاتے، اور کوٹھوں پر پھرتے تھے۔ ہولی کے دنوں میں باقاعدہ رنگ کھیلتے، اور ہر رسم میں شریک ہوتے۔

کتب فروش :۔ اب بھلا بتایئے، ان سوقیانہ طرز کے گانوں کو، جو سڑکوں پر بھیک مانگنے والے گاتے پھرتے ہیں، اگر شعر کہہ دیا جائے تو

کورس :- (آتے ہوئے) اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے
لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے
سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

(تذکرہ نویس اپنے لال کپڑوں، شاعرنما آدمی اپنے لمبے بالوں اور مولوی صاحب سر پر بندھے ہوئے رومال کو دیکھتے ہیں)

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سُن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولھا توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

آوے تو ے تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجیے دنڈوت اور سلام
اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں نور پور
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے بر فی و موتی چور
ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر خواہشِ باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں

آنکھیں پری رُخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
رو کھی ہی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے، موٹی خمیری ہو یا فطیر
گیہوں، جوار، باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

(چلے جاتے ہیں)

(گگڑی والا اس نظم کے دوران میں اندر آتا ہے، اور پیچھے کھڑے ہو کر بہت غور سے نظم سنتا ہے)

گگڑی والا:- (بڑی حسرت سے) میری گگڑی پر کوئی نظم نہیں لکھ دیتا! (یہ کہہ کر پیچھے کے دروازے سے جانے لگتا ہے، لیکن یکایک ایک خیال سے چونک کر مڑتا ہے، اور آواز لگاتا ہے) شاہ صاحب! (آواز لگاتا ہوا دائیں راستے سے بھاگ جاتا ہے، مگر فوراً ہی واپس آتا ہے، اور آواز لگاتا ہوا بائیں راستے سے باہر چلا جاتا ہے) شاہ صاحب! شاہ صاحب! (فقیر گاتے ہوئے واپس آتے ہیں۔ گگڑی والا پھر اندر آتا ہے، اور آواز لگاتا ہے۔ مگر فقیر پیچھے کے دروازے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ گگڑی والا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے، فقیروں کا گانا اب تک فضاؤں میں گونج رہا ہے کہ پردہ تیزی سے گر جاتا ہے)

دوسرا ایکٹ

(پردہ کھلنے سے پہلے کورس والے داخل ہوتے ہیں، ایک اسٹیج کے دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے، اور پردے کے سامنے کھڑے ہو کر نظم "اکبر آباد" سناتے ہیں۔ آخری بند پر پردہ اٹھتا ہے، اور فقیر گاتے ہوئے پیچھے کے دروازے سے چلے جاتے ہیں)

کورس :- بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

شہرِ سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری
شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری
لیلیٰ کی جد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے ہر طلعت و شب زلفِ ہوشاں

بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

باغات پُر بہار عمارات زر نگار
بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دلفریب و گل اندام و گلعذار
کلیاں کہے ہیں آپ کو گلزار پر بہار
کوچے کہے ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

بحر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر
لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جس کی لہر
کوئی نہا رہے اور کوئی منہ دھو رہے شاد بہر
اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنانِ شہر
شمشاد سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

گر یاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم
تو بحرِ صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم
سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

اہلِ شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا
لہریں نشاط و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ

ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا
ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا

ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحر بے کراں
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام
ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام
ہر طور دل رہے ہے خوش اور طبع شاد کام
میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام

بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

(باہر چلے جاتے ہیں)

پتنگ والا:۔ (گنگناتے ہوئے بائیں راستے سے داخل ہوتا ہے اور جا کر اپنی دوکان کھولتا ہے) ؎

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

(تذکرہ نویس حاضرین کی طرف پیٹھ کئے دوکان میں کھڑا کتابیں دیکھ رہا ہے۔ کتب فروش بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے۔ شاعر اور ہجولی دوکان سے باہر، سڑک پر کھڑے ایک کتاب دیکھ رہے ہیں، حاضرین کی طرف ان کی پیٹھ ہے۔ پتنگ والے کی باتیں سن کر ہجولی آگے بڑھتا ہے، اور بنچ پر بیٹھ کر اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ شاعر اسٹول کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تذکرہ نویس اپنی گفتگو کے دوران میں کتاب بند کر کے مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

پتنگ والا:۔ (برتن والے سے) مبارک ہو رام! سنا ہے تیرے ہاں

73.7K/s

لڑکا ہوا، اور خوب دھولک بجی!

درزی:۔ اُدھر ڈھولک پر گانا ہوا اِدھر محمد خاں قوال نے خوب رنگ جمایا، سب تمھیں پوچھتے رہے، تم کہاں تھے؟

برتن والا:۔ (اپنی دُکان پر سے) بڑی دیر کردی آج دُکان کھولنے میں؟

پتنگ والا:۔ دریا کنارے گیا تھا میاں نظیر کے ساتھ تیراکی کا میلہ دیکھنے! (گنگناتا جاتا ہے)

برتن والا:۔ طوطا ساتھ لے کر گئے تھے؟

پتنگ والا:۔ پنجرا ہاتھ میں اُٹھائے، دریا پار کرتا ہوں، کیا سمجھتے ہو! پر یار غضب کرتے ہیں اپنے آگرے والے بھی! یار لوگ بلبل سر پر بٹھا کر دریا پار کرتے ہیں، حد ہوگئی!

کتب فروش:۔ سُن لیا حضور آپ نے؟ پیری میں بھی وہی عالم ہے!

تذکرہ نویس:۔ بڑھاپا انسان کا مزاج تو نہیں بدل دیتا۔ پُرانی عادتیں ہیں کیسے چھوٹیں گی۔ زور تھا تو خود تیرتے تھے۔ اب اگلے زمانے کی یاد، اور ان یادوں کی حسرت لئے ہوئے، جمنا کنارے کھنچے چلے جاتے ہیں کہ خود نہیں تیر سکتے تو دوسرے تیراکوں ہی کا تماشہ دیکھ کر ہوس پوری کرلیں!

ہجولی:۔ صاحب، لیکن یہ تیراکی کا میلا ہوتا بھی بڑا کافر ہے! اور یہ بہار آگرے ہی میں ہے۔ کتنا حسین، کتنا شاعرانہ منظر ہوتا ہے۔ سچ پوچھئے، تو جی میرا بھی بہت چاہتا ہے کہ شرکت بھی کروں اور ایسے حسین موضوع پر شعر بھی کہوں۔ بس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر!

شاعر نما آدمی:۔ بس اسی طرح کہنا شروع کردیجئے، سہ

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا لے یار پیرتے ہیں (سب ہنستے ہیں)

ہمجولی :۔ میرا مطلب یہ نہیں۔ لیکن صحیح معنوں میں بھی تو شعر کہا جا سکتا ہے؟

شاعر نما آدمی :۔ تیراکی پر؟

ہمجولی :۔ کیوں نہیں؟

شاعر نما آدمی :۔ وہ کیونکر؟

ہمجولی :۔ یہی اگر سمجھ میں آجاتا تو کہہ نہ دیتا شعر؟

شاعر نما آدمی :۔ جس موضوع پر آپ شعر نہیں کہہ سکتے، اسے شاعرانہ موضوع ٹھہرانا کیا معنی؟

ہمجولی :۔ میں نے تو صرف اتنا کہا کہ جی چاہتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا کہ اس پر شعر کہنا آسان یا ممکن ہے!

شاعر نما آدمی :۔ جس موضوع پر شعر کہنا ممکن نہ ہو، اس پر شعر کہنے کی خواہش کہاں کی عقلمندی ہے!

لڈو والا :۔ (اسٹیج کے دائیں طرف باہر سے) پھر تو پٹنا چاہتا ہے؟

گگڑی والا :۔ (اسی طرف سے) نہیں تو!

لڈو والا :۔ جہاں میں لڈو لے جاتا ہوں، وہیں گگڑی اڑا دیتا ہے!

(اسی طرف سے ایک لڑکا داخل ہوتا ہے اور پتنگ کی دوکان پر جاتا ہے)

لڑکا :۔ اب کھول رہے ہو دوکان؟

پتنگ والا :۔ ہاں صاحب۔ ذرا تیراکی کا میلہ دیکھنے گئے تھے!

لڑکا :۔ پتنگ و تنگ بھی بنائی ہے یا اس سال تیراکی کا میلا ہی

دیکھتے رہے؟

پتنگ والا :- کونسی پتنگ چاہیے؟ ہر رنگ، ہر نوع، ہر مذاق، ہر بہار کی پتنگیں موجود ہیں صاحب! کونسی پتنگ لیجیے گا؟ دودھاریا، گلہریا، پہاڑیا، دوباز، للسرا، گھائل، لنگوٹیا، چاندتارا، بگلا، نپّا، دھیّر، خربوزیا، پیندی پان، یمنا۔ دوکوڑیا، کلسرا، گڈی، چوکھڑا، باجرا۔۔۔۔۔۔

لڑکا :- ہاں ہاں ہاں۔ بس بھئی بس، نام تک نہیں سُنے ان پتنگوں کے اپنی زندگی میں۔

پتنگ والا :- پھر کیا پتنگ اُڑاتے ہیں آپ؟

لڑکا :- اُڑا لیتے ہیں بھئی تھوڑی بہت! آپ تو ہمیں ایک سیدھا سادا دودھاریا دے دیجیے۔

پتنگ والا :- دودھاریا لیجیے۔

لڑکا :- دام؟

پتنگ والا :- پچیس ۲۵ کوڑی!

لڑکا :- یہ لیجیے!

(گاہک پتنگ لے کر دائیں راستے سے چلا جاتا ہے)

کتب فروش :- (پتنگ کے گاہک سے) اے میاں، ذرا اِدھر آنا لڑکے! (لڑکا چلا جاتا ہے، مولوی صاحب لپک کر دروازے تک پہنچ جاتے ہیں) ذرا بات سُننا میاں! (مولوی صاحب دوکان پر واپس آجاتے ہیں کچھ دیر بعد لڑکا واپس آتا ہے) بیٹھو! (مولوی صاحب ہاتھ سے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں، لڑکا ان سے دور ہٹ کر بیٹھتا ہے) حمید نام ہے نا تمہارا؟

لڑکا :- جی!

کتب فروش :۔ (تذکرہ نویس سے) مولانا، ذرا اس لڑکے کے مُنہ سے اُستادوں کا کلام سُنیے، جیسی شکل پائی ہے بخدا ویسی ہی آواز!

تذکرہ نویس :۔ ماشاء اللہ!

لڑکا :۔ کیا سُناؤں مولانا؟

کتب فروش :۔ تمھیں تو اُستادوں کے پورے پورے دیوان حفظ ہیں۔ ہم سے کیا پوچھتے ہو، اپنی مرضی سے سناؤ۔

تذکرہ نویس :۔ ہاں میاں۔

لڑکا :۔ ایک غزل سُناتا ہوں۔ (بڑی خوش الحانی سے گاتا ہے دوکاندار اپنی دوکانیں چھوڑ کر پاس آجاتے ہیں۔ راہگیر رُک جاتے ہیں۔)

قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ ولیکن — کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا
جیسا کہ ہو وہ مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا — اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے — ہے یہ تو اسی چاند سی صورت کا اُجالا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا — گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام — ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اسی روز کو کہتے تھے نظیر آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا

شاعر نما آدمی :۔ (بڑے تعجب سے) یہ میاں نظیر کی غزل ہے؟

ہمجولی :۔ بھئی کیا کہنے ہیں۔ ہمیں میاں نظیر کے اس کلام کی خبر نہ تھی۔

کتب فروش :۔ میاں زندگی بھر مشق کرتا رہے آدمی، تو ایک آدھ شعر تو ہر کسی کے ہاں سے نکل ہی آئے گا! اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟ ہاں میاں کچھ اور سناؤ!

ہمجولی :۔ پر صاحب، استادوں کی زمین کی غزل ہے!

کتب فروش :۔ استادوں کی زمین پر ہل چلانے والے گھٹیا شاعر بہت ملتے ہیں۔

ہمجولی :۔ لیکن صاحب، غزل کا رنگ بہت شستہ اور منجھا ہوا ہے۔

تذکرہ نویس :۔ میر اسی زمین میں کہتے ہیں۔

دیکھے ہے مجھے دیدۂ پُرخشم سے وہ میر
میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالہ

شاعر نما آدمی :۔ چھالا کا قافیہ باندھا ہے!

گزرے ہیں کہو واں سرِ ہر خار سے اب تک
جس دشت میں پھوٹا ہے مرے پاؤں کا چھالا

تذکرہ نویس :۔ اس قافیے میں انشاؔ کا شعر خوب ہے! فرماتے ہیں :۔

اتنا تو پھرا وادیٔ وحشت میں کہ میرے
ہے پائے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا

ہمجولی :۔ لیکن صاحب نظیر کا شعر بے مثل ہے کہ

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

شاعر نما آدمی :۔ سوداؔ نے بھی کہی ہے اس زمین میں غزل!

ہمجولی :۔ سید انشاء اللہ کی کوئی چیز تمھیں یاد ہے میاں؟

کتب فروش :۔ بھئی انشاؔ اور مصحفیؔ کی معرکہ آرائیوں کا جواب نہیں ہے۔ خصوصاً وہ غزل "شب دیجور کی گردن"! اس میں جو نوک جھونک ہوئی ہے دونوں کی! عجب لطف رہتا ہوگا بخدا نواب سعادت علی خاں کے دربار میں بھی!

تذکرہ نویس :۔ آپ بھی کب کی بات کر رہے ہیں حضرت ! شبِ دیجور کی گردن والا زمانہ گیا۔ اب تو سید انشاؔ جیسے ہنسوڑ کے لب پر وہی گریہ و زاری ہے کہ ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ہمجولی :۔ اور اب تو سُنا ہے کہ آتشؔ و ناسخؔ کی آوازیں وہ گونجی ہیں لکھنؤ میں کہ انشاؔ و مصحفیؔ بھی پھیکے پڑ گئے۔ کس قدر جاندار شاعر ہے آتشؔ بھی۔ زورِ بیاں دیکھئے۔ فرماتے ہیں ؎

یہ بزم وہ ہے کہ لا خیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفے میں بازیٔ غلام نہیں

شاعر نما آدمی :۔ اور ناسخؔ کا جواب بھی سُن لیجئے ؎

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

ہمجولی :۔ نہیں بھئی یہ خواہ مخواہ کی لڑائی ہے۔ بلکہ اسے بے شرمی کہئے۔ شعر خوبصورت ہے مگر تصنع آمیز۔ وہ سچائی، وہ آگ اس کے اندر نہیں ہے۔ جو آتشؔ کے یہاں ہے۔

شاعر نما آدمی :۔ آپ حسنؔ جواب دیجئے۔ سچائی اور آگ کیا دیکھ رہے ہیں شعر میں ؟

کتب فروش :۔ آپ لوگ بھی وہی کرنے لگے۔ بخدا جو دلّی اور لکھنؤ کے درباروں میں ہمارے اساتذہ کر رہے ہیں۔ بس اب یہ بحث ختم کیجئے اور شعر سُنئے۔ ہاں میاں!

لڑکا :۔ کیا سُنئے گا؟

تذکرہ نویس :۔ (کسی قدر جھنجھلا کر) جو جی چاہے سُناؤ!

لڑکا :۔ ادنیٰ غریب، مفلس، زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی میں صاف سوتے | کتنوں کے ہاتھ پکڑے، کتنوں کے سر چلوٹے
کتنے پتنگ اُڑاتے کتنے سوئی پروتے | حقوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے | پھر اس کے بعد اپنے اُستاد پیر کی جے

(تذکرہ نویس جھنجھلا کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور بغیر کچھ کہے چلا جاتا ہے۔ محفل پر ایک تحقیر آمیز سناٹا چھا گیا ہے۔ مگر بہت سے رستہ چلنے والے بڑے شوق سے نظم سُننے کے لئے رُک گئے ہیں۔ اس جمگھٹ کو دیکھ کر مولوی صاحب برس پڑتے ہیں)

لڑکا :۔ مور مکٹ کنھیا جمنا کے تیر کی جے

کتب فروش :۔ بس کرو میاں! (آواز اُٹھا کر) آپ لوگ کیوں یہاں جمع ہو گئے ہیں صاحب؟ کوئی مداری کا کھیل ہو رہا ہے یا پرساد بٹ رہی ہے۔ (مجمع پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور ایک سناٹا چھا جاتا ہے۔ اس سناٹے میں گکڑی والا بائیں طرف سے آہستہ آہستہ داخل ہوتا ہے۔)

گکڑی والا :۔ (مُردہ آواز میں) پیسے کی چھے چھے! پیسے کی چھے چھے!

(کتب فروش اسے غضب آلود نگاہوں سے گھور رہا ہے۔ گکڑی والا جو اب تک انجان تھا، مولوی صاحب کی نگاہوں کو دیکھ کر یکایک چُپ ہو جاتا ہے،

ور بھاگ کر دائیں کونے میں دبک جاتا ہے۔ پتنگ والا جو مجمع میں سب سے آگے
تھا، کتب فروش کی دوکان کی طرف بڑھتا ہے)

پتنگ والا :۔ ادھر آنا میاں! (لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی دوکان
ر لے جاتا ہے)

کتب فروش :۔ لیجیے، ہم نے سوچا خوش گلو لڑکا ہے، مولانا کلام سن کر
وش ہوں گے۔ میں کیا جانتا تھا کہ وہ یہ بازاری کلام سنانے لگے گا۔ آخر مولانا
اراض ہو کر چل دیئے۔

ہمجولی :۔ لیکن نظم تو خوب تھی صاحب!

شاعر نما آدمی :۔ جی ہاں "سو سو طرح کا کر کر لیستا زیر تے ہیں!" کر کر!
سے آپ شاعری کہتے ہیں؟ یوں معلوم ہوتا ہے آدمی شعر نہیں پڑھ رہا گر گڑی
ار رہا ہے۔

ہمجولی :۔ لیکن صاحب "کر کر" مستعمل ہے۔ اساتذہ نے باندھا ہے!

شاعر نما آدمی :۔ چلیے، اب اٹھیے۔

کتب فروش :۔ معاف کیجیے گا۔

شاعر نما آدمی :۔ معافی کی کیا بات ہے مولانا۔ اچھا۔ السلام علیکم

کتب فروش :۔ وعلیکم السلام (شاعر نما آدمی اور اس کا ہمجولی چلے
تے ہیں۔ لوگوں کا گروہ اب پتنگ والے کی دوکان پر جمع ہو گیا ہے۔ مولوی
احب مجمع کو دیکھ کر کہتے ہیں) اب کمبخت وہاں جم گئے ہیں!

(مولوی صاحب حساب کتاب میں لگ جاتے ہیں۔ پتنگ والا گوپے کو
نے ساتھ دوکان پر بٹھاتا ہے۔)

پتنگ والا :۔ سنو میاں نظیر کہتے ہیں :۔

قسمت میں گر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا
بے اختیار ہاتھ سے شیشہ گرے گا جست

پہلے ہی کیوں نہ بتایا تم نے یار کہ تمھیں میاں نظیر کا کلام یاد ہے ؟

لڑکا :۔ میں تو پتنگ خریدنے آیا تھا صاحب، شعر سنانے کی غرض سے تو نہیں آیا تھا !

پتنگ والا :۔ ارے یار تو مگر یہ تو جانتے ہو کہ کتنی پرانی ملاقات ہے ہماری میاں نظیر سے ! سنانا تھا تو ہماری دوکان پر بیٹھ کر سناتے ۔ وہاں شعر پڑھ کر اُن کو بھی بے عزت کیا، اور ہمیں بھی ! واہ ! ـــــ اسی پر تو کہا ہے حضرت نظیر نے کہ ؎ دل سادہ یتیم بچا کوڑیوں کے مول
کیا کیجے نظیر یہ بھی خریدار کے نصیب

ـــــ اچھا سناؤ کچھ اپنی آواز سے !

لڑکا :۔ آپ فرمایئے کیا سناؤں ؟

پتنگ والا :۔ وہی نظم سناؤ تیراکی والی، اور کیا ؟

لڑکا :۔ اونی غریب، مفلس، زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے
پیراک اس میں پیرے ہیں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے گورے پیارے
پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ دار پیرتے ہیں، کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہی پیریا اپنا دکھا کے سینہ
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ
مردوں کا بہہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گلرو ناچوں میں چھک رہے ہیں
جوڑے بدن میں رنگیں گہنے بھبک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں
عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہے ہیں
سو ٹھاٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے
پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
مورد مکٹ کنھیا جمنا کے تیر کی جے
پھر غول کے سب اپنے خورد و کبیر کی جے
ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیریاں کے ہیں پیرنے کے بانی
ہے جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
اُستاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی

سب خوش رہیں لب جب ہمک جمنا کے بیچ پانی

کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا لے یار پیرتے ہیں

(نظم کے دوران میں اور بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ جن میں خوانچے والے بھی شامل ہیں۔)

پتنگ والا:۔ واہ واہ واہ! میاں۔ یہی کلام تو دل کو لگتا ہے۔ پر زمانے نے قدر نہ کی یار اس شاعر کی! کہتا ہے سے

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

سب :۔ واہ وا کیا کہتے ہیں!

گھوڑوں کا تاجر:۔ (جو نظم کے دوران میں اندر آیا تھا، اور راہگیروں میں شامل ہو گیا تھا)، بالکل سچ! بالکل درست! بہت حسب حال کہا ہے۔

(منظور حسین لوگوں کے گروہ میں پیچھے ہوئے کھڑے ہیں، آواز سن کر پتنگ والا ان کی طرف لپکتا ہے، مجمع کی صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھتا ہے، تو بیچ میں منظور حسین کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں)

پتنگ والا:۔ ارے کون، منظور حسین؟ تم کہاں سے ٹپک پڑے بھئی؟ ہم نے تو سنا تھا کہ تم دکن کی طرف چلے گئے ہو!

گھوڑوں کا تاجر:۔ سارے ملک کی خاک چھانتا پھرا، آج ہی واپس آیا۔

پتنگ والا:۔ بیوپار کیسا چل رہا ہے؟ بہت بیچے گھوڑے!

گھوڑوں کا تاجر:۔ اسی کو کہتے ہیں صاحب گھوڑے بیچ کر سونا حیدرآباد

کی طرف گیا تھا۔ جاتے وقت تو ایسی صورت نہ ہوئی، واپسی پہ فرنگیوں اور مراٹھوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ ناگپور کی طرف سے آنے والا تھا۔ خیر وہاں سے کتراتا ہوا لڑائی کی خونریزیوں سے بچ بچا کر آ رہا تھا کہ جھانسی کے پاس فرنگیوں کے بھگائے ہوئے ٹھگوں اور پنڈاریوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جو کچھ تھوڑا بہت کمایا تھا وہ بھی ان کی نذر کر دیا اور باقی ماندہ گھوڑے ان ہی کے کام آئے۔ لٹ کٹا کر میرٹھ ہوتا ہوا آ رہا ہوں۔

(اب تک دونوں وہیں اسٹیج کے بیچ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اب پتنگ والا منظور حسین کو پان کی دکان پہ لے آتا ہے)

پتنگ والا: ہے ہے۔ بہت برا زمانہ آ رہا ہے یار۔

گھوڑوں کا تاجر: میرٹھ میں دیکھا کہ ہر شخص فرنگیوں سے بیزار ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہندوستانی جو فرنگیوں کی فوج میں ملازم ہیں، اپنے افسروں سے برگشتہ ہیں۔ نہ جانے زمانہ کیا انقلابات دکھائے! خیر یہ چھوڑو تم اپنی سناؤ۔

پتنگ والا: اپنی کیا سناؤں! لوگوں میں وہ شوق ہی نہ رہا پتنگ بازی کا! یا اگر شوق ہے تو کیسہ خالی۔ (پان پیش کرتا ہے، اور دکان کی طرف واپس آتا ہے۔ راستے میں رک کر کہتا ہے) لیکن تمھاری بات سے میاں نظیر پھر یاد آ گئے۔ ٹھگوں کے بارے میں بھی کہا ہے اور جنگ کے بارے میں بھی۔ سنو پہلے ٹھگوں کے بارے میں سنو! فرماتے ہیں۔

گردن کو ہے اُچکا تو چور رات میں ہے
نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات میں ہے
اُس کے بغل میں گپتی تیغ اس کے ہات میں ہے
وہ اس کی فکر میں ہے یہ اس کی گھات میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گھوڑوں کا تاجر:۔ بھئی بہت برجستہ کہا ہے۔

پتنگ والا:۔ اور سنو! جنگ کا بھی راز بتا دیا ہے۔ کہتے ہیں۔

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں
کٹتے ہیں ہاتھ پاؤں گلے اور کلائیاں
بندوقیں ہیں کہیں، کہیں توپیں لگائیاں
کُل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

گھوڑوں کا تاجر:۔ بہت خوب کہا ہے۔ میں تو ملک کے ہر کونے کے چکر لگاتا رہتا ہوں۔ بالکل یہی حال ہے چاروں طرف!

پتنگ والا:۔ اور تمہارے بارے میں بھی کہا ہے!

(یہ کہہ کر منظور حسین کو دوکان میں بٹھاتا اور خود دوکان کے باہر کھڑا رہتا ہے)

گھوڑوں کا تاجر:۔ اچھا!

پتنگ والا:۔

جا لوگ روم و شام میں زر کو کماتے ہیں
ماچین چین سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں
اور یاں سے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک کو یہی پکار رہے ہے دن رات ہائے زر

گھوڑوں کا تاجر :- (ہنس کر) واہ واہ ۔ سب پیسے کا کھیل ہے ! بالکل ٹھیک !

پتنگ والا :- یار اپنے کو تو یہی کلام اچھا لگتا ہے اور یہی شعر ہم جیسے جاہلوں کی سمجھ میں آتے ہیں ۔ سچی بات یہ ہے بھیا کہ اپنے دل کا حال مل جاتا ہے ان شعروں میں ۔ اور اپنے آس پاس کی دنیا کا حال ! اور طرہ یہ ہے کہ ہمارے شاعر نے وطن سے باہر قدم نہیں رکھا ۔ یہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا دیکھ لی ! کہتے ہیں :- (آواز اٹھا کر) سے

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

(کتب فروش کی دوکان کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ کتب فروش کتاب پر سے سر اٹھا کر دیکھتا ہے ۔ طیش کے مارے اس کی نگاہیں سرخ ہو گئی ہیں ۔ پتنگ والا حمید کے برابر بنچ پر بیٹھ جاتا ہے اور حمید سے کہتا ہے) کچھ اور سناؤ یار !

لڑکا :- کیا سناؤں ؟

پتنگ والا :- نظیرؔ کا کلام سناؤ میاں اور کیا سناؤ گے ۔ اس کا ہر شعر بے نظیر ہے !

لڑکا :-

کہتے ہیں جس کو نظیرؔ ، سُنئے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلمِ غریب ، بزدل و ترسندہ جاں
سست روش پست قد ، سانولا ہندی نژاد

تن بھی کچھ ایسا ہی تو تھا، قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا، چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ اوپر، ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی، تر... پہ دھرکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پر۔ پٹے بھی تھے پنبہ ساں
پیری میں تھی جس طرح، اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی ان دنوں، جن دنوں وہ تھا جواں
فضل نے اللہ کے، اس کو دیا عمر بھر
عزّت و حُرمت کے ساتھ، پارچہ و آب و ناں

سب :- واہ واہ۔ واہ واہ! کیا انکساری ہے، وغیرہ وغیرہ!

(بائیں راستے سے ایک لڑکی اُچھلتی کودتی داخل ہوتی ہے)

لڑکی :- (گنگناتی ہے) کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے۔ (لڈو والے کے پاس جاکر، جو اسٹیج کے بائیں حصّے میں کتب فروش کی دوکان کے پاس بیٹھ گیا ہے) لڈو دو!

لڈو والا :- ایک پیسے کے چار!

پتنگ والا :- ارے بٹیا! لڈو کھارہی ہے؟ (آگے بڑھتا ہے اور اسٹیج کے بیچوں بیچ لڑکی کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے، اور دونوں ہاتھوں سے لے پکڑ لیتا ہے)

لڑکی :- ہاں۔

پتنگ والا :- (منظور سے) میاں نظیر کی نواسی ہے! (لڑکی سے) نانا کیا کر رہے ہیں؟

لڑکی :- میں بتاؤں ؟ پڑھا رہے ہیں !

پتنگ والا :- اور تم لڈو کھا رہی ہو ؟ کس نے دیے، پیسے ؟

لڑکی :- میں بتاؤں ؟ نانا کو پڑھانے کے پیسے ملتے ہیں نا !

پتنگ والا :- اور تم موج کرتی ہو ؟ کیوں ؟

لڑکی :- نہیں ! میں بتاؤں ؟ ہمارے نانا پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں نا ! جیسے ہم کو اماں کہتی ہیں نا، کہ گندی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے، ؟ ویسے ہی نانا نے آج پیسے کو رومال سے باندھ کر کونے میں پھینک دیا !

پتنگ والا :- اور تم نے اٹھا لیا ؟

لڑکی :- نہیں ! سب تھوڑا ہی ؟ خالی ایک پیسہ !

پتنگ والا :- اور لڈو کھانے چلی آئیں ؟ شیطان کہیں کی !

لڑکی :- باقی پیسے امی کو دے دیے، !

پتنگ والا :- ارے پھر تو شیطان نہیں ہے، بڑی نیک بٹیا ہے۔

(لڑکی ہنس کر جس طرف سے آئی تھی اسی طرف سے چلی جاتی ہے) سن لیا صاحب ؟ (منظور سے) حال ہی کا واقعہ ہے۔ نواب سعادت علی خاں کے پاس آدمی آیا تھا، روپیہ لے کر ! رات بھر روپیہ گھر میں پڑا رہا اور روپے کی وجہ سے انھیں نیند نہ آئی۔ صبح کو جواب میں کہلوا بھیجا کہ زر سے تعلق سے تو یہ حال ہے اگر زندگی بھر کا ساتھ ہو گیا تو نہ جانے کیا ہوگا ؟ (دوکان کی طرف جاتے ہوئے) لکھنؤ سے روپیہ آیا اور حیدر آباد کے چندو لال کے پاس سے بھی بلاوا آیا، پر میرا یار آگرے سے نہ ٹلا۔ (حمید کے برابر بنچ پر بیٹھتے ہوئے) ورنہ اگر چاہتا تو وہ بھی دوسرے استادوں کی طرح دربار کا شاعر بن سکتا تھا۔

گھوڑے کا تاجر:- بھئی میری تو پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آج عجیب و غریب حالات میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ عجیب ولی صفت آدمی ہے یہ۔ عالمگیر روز تاج گنج سے مائی تھان ٹٹو پر جاتے ہیں، لالہ بلاس رائے کھتری کے لڑکوں کو پڑھانے کے لیے۔ بس ٹٹو پر چلے آرہے تھے، رستے میں وہ اڑ گیا۔ ایک چابک جو اس کے رسید کی تو وہ مجھے لگتی ہوئی ٹٹو کے لگی۔ میں نے کہا میاں میرا ایسا کیا قصور تھا کہ صبح ہی صبح چابک سے خبر لی۔ میاں نظیر ٹٹو سے اتر پڑے اور زبردستی میرے ہاتھ میں چابک دے کر کہا کہ میاں میرے بھی ایک جڑ دو، بدلہ ہو جائے گا۔ میں کہہ کر پچھتایا۔ وہ نہ ملنے آخر مجبور آ ہی گئے چابک لے کر ان کے زرا سا چھوا دیا، کیا کرتا۔ انھوں نے چابک وہیں زمین پر پٹخ دی، کہنے لگے پہنچنے میں چاہے کتنی ہی دیر لگے بس اب آج کے دن سے چابک کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

(برتن والا جو اپنی دوکان میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا، اپنی جگہ سے اُچھل پڑتا ہے، اور سب کو سُناتے ہوئے گاتا ہے)

برتن والا:-

پہلے ناؤں گنیش کا لیجے سیس نوائے
جا سے کارج سدھ ہوں سدا مہورت لائے

بول بچن آنند کے، پریم پیت اور چاہ
سن لو یارو دھیان دھر، مہادیو کا بیاہ

جوگی جنگی سے سُنا، وہ بھی کیا بیان
اور کتھا میں جو سُنا، اس کا بھی پرمان

سُننے والے بھی رہیں، ہنسی خوشی دن رین

اور پڑھیں جو یاد کر، ان کو بھی شکھ چین

اور جس نے اُس بیاہ کی، مہماں کبھی بنائے
اس کے بھی ہر حال میں، شیوجی رہیں سہائے

خوش رہے دن رات وہ، کبھی نہ ہو دلگیر
مہاں اُس کی بھی رہے، جس کا ناؤں نظیر

سب :- (مل کر گاتے ہیں)

مہاں اس کی بھی رہے جس کا ناؤں نظیر
مہاں اس کی بھی رہے جس کا ناؤں نظیر
مہاں اس کی بھی رہے جس کا ناؤں نظیر

ککڑی والا :- (جو بہت دیر سے اسٹیج کے بائیں کونے پر بیٹھا ہوا ہے)
میاں کہاں رہتے ہیں یہ حضرت نظیر؟

پتنگ والا :- کیوں، کیا بات ہے؟

ککڑی والا :- (اُٹھ کر) وہ بات یہ ہے کہ — ایسے ہی (پھر بیٹھ جاتا ہے)

پتنگ والا :- آخر؟

ککڑی والا :- میاں ایک بات پوچھوں آپ سے؟ اگر آپ بُرا نہ مانیں
.... (آگے بڑھتا ہے)

پتنگ والا :- اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟

ککڑی والا :- یہ میاں نظیر غصے والے آدمی تو نہیں ہیں؟ (پاس سرک کر)

پتنگ والا :- بہت رحمدل آدمی ہیں — کیوں؟

ککڑی والا :- ہر آدمی سے بات کر لیتے ہیں؟

پتنگ والا :- ہاں ہاں!

گگڑی والا:۔ میری بات سُنیں گے؟

پتنگ والا:۔ ضرور سُنیں گے۔ کسی کا دُکھ ان سے نہیں دیکھا جاتا۔

گگڑی والا:۔ نہیں دُکھ کی بات نہیں میاں۔ گگڑی کی بات ہے۔

پتنگ والا:۔ پھر تو ضرور سُنیں گے۔ تمھاری باتیں سُن کر تو ویسے بھی بڑا مزا آتا ہے۔

گگڑی والا:۔ میری گگڑی پر دو چار شعر لکھ دیں گے؟

پتنگ والا:۔ ضرور لکھیں گے اور خوب لکھیں گے۔ کمتنوں کو اس طرح نظمیں لکھ کر دے دیں اور بھول گئے۔ ابھی کچھ دنوں کا واقعہ ہے ایک صاحب پہنچ گئے، ان کے ہاں، اپنے ٹوٹے ہوئے دل کا دُکھڑا لے کر۔ کسی مہ جبین نے بے وفائی کی تھی ان کے ساتھ، ان کی بے وفائی کی داستان سُنائی اور کہا کہ دل کو کیوں کر سمجھاؤں کسی پہلو چین نہیں لیتا، ہر دم آنکھوں کے سامنے اس مہ لقا کی تصویر جمی رہتی ہے۔ میاں نظیر نے اس کے حسبِ حال ایک نظم لکھ دی۔ بس ان صاحب کو چین آگیا۔ اب وہ نظم گنگناتے رہتے ہیں اور خوش و خرم پھرتے ہیں!

گگڑی والا:۔ رہتے کہاں ہیں میاں؟

پتنگ والا:۔ بیگم باندہ کا محل دیکھا ہے؟

گگڑی والا:۔ جی نہیں!

پتنگ والا:۔ ملکوں کی گلی دیکھی ہے؟

گگڑی والا:۔ نہیں!

پتنگ والا:۔ نوری دروازہ دیکھا ہے؟

گگڑی والا:۔ جی نہیں میاں!

پتنگ والا:۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟

گگڑی والا:۔ متھرا کے پاس کا رہنے والا ہوں۔

پتنگ والا:۔ اچھا، تاج گنج دیکھا ہے؟

گگڑی والا:۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

پتنگ والا:۔ وہاں پہنچ کر کسی سے ملکوں والی گلی پوچھ لو، اور بیگم باندہ کے محل پہنچ جاؤ۔ محل کے برابر ہی ایک چھوٹا سا مکان ہے، وہ میاں نظیر کا ہے۔

(گگڑی والا خوشی خوشی بائیں راستے کی طرف بھاگتا ہے، راستے کے پاس ایک اجنبی سے ٹکر ہو جاتی ہے۔

اجنبی:۔ اندھا ہو گیا ہے؟

گگڑی والا:۔ معاف کرنا میاں، ذرا جلدی میں ہوں! (چلا جاتا ہے۔ اجنبی بازار میں ٹہلتا ہے)

پتنگ والا:۔ (منظور سے) ابھی کل ہی دو چار احباب کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ کنڈی کھٹکھٹائی۔ وہ باہر آئے، تو کیا دیکھتا ہوں کہ آٹے میں لت پت میاں نظیر چوکھٹ پر کھڑے ہیں پہچان نہ پڑتے تھے۔ پوچھا میاں یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ بولے تمہاری بھاوج بگڑ بیٹھی ہیں، کیا کرتا، سوچا خود ہی آٹھ پیسوں روٹی پکاؤں۔ میں نے کہا آپ اپنا کام کر چکے، اب ہم اپنا کئے دیتے ہیں۔ پھر ہم سب نے مل جل کر روٹی ڈالی اور کھانا پکایا۔ خود بھی کھایا اور ان کی اہلیہ کو منا کر کھلایا پلایا۔

گھوڑوں کا تاجر:۔ یار شاعر اگر آدمی اچھا نہ ہو تو اس کے شعر بھی ہرگز اچھے نہ ہوں گے۔

پتنگ والا :- (حمید اور ان لوگوں کو سُنا تے ہوئے) جواب نہیں وہاں تک ہیں) اچھا آدمی بھی ایسا کروڑوں میں ایک ! ہر آدمی سے کھُل کے ملتے ہیں۔ چھوٹا بڑا، اچھا بُرا، امیر غریب، ہندو مسلم سب ان کے لئے برابر ہیں چاہے وہ پتنگ بنانے والا ہو، چاہے کتاب بیچنے والا، اُن کے لئے تو بس آدمی ہے اور کچھ نہیں۔ (آواز اٹھا کر اور کتب فروش کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ کتب فروش غصّے سے سُرخ ہو رہا ہے)

اجنبی :- (کتب فروش سے) کلامِ ناسخ ہے آپ کے یہاں ؟

کتب فروش :- (پتنگ والے کا غصّہ اس اجنبی پر نکالتا ہے۔ موقع پاتے ہی برس پڑتا ہے) میاں ! ناسخ کل کے چھوکرے ہیں ! ابھی ابھی شعر کہنا شروع کیا ہے، اور ابھی سے آپ ان کے کلام کی تلاش میں نکل پڑے۔ ایسا ہی شوق ہے تو لکھنؤ تشریف لے جائیے اور خود سُن لیجیے۔

(یہ اجنبی بہت دیر سے بازار کے چکّر کاٹ رہا ہے، آوارہ گرد ہے، لوگوں کے مُنہ لگتا رہتا ہے، اور ہر جگہ دخل انداز ہونا چاہتا ہے، اسے دنیا میں کوئی کام نہیں)

اجنبی :- ابھی ابھی یہاں کچھ لوگ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ناسخ صاحب کا ایک شعر میرے کان میں پڑا، میں نے سوچا ــــــ

کتب فروش :- کہیں سے اپنی کتابوں کے اشتہار کے لئے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے ! یہ شوق اور یہ جہالت ! سُبحان اللہ ! (اجنبی ڈر کر پیچھے ہٹ جاتا ہے، لیکن گھوم کر پھر حملہ کرتا ہے)

اجنبی :- یہ اتنے لوگ یہاں کیوں اکٹھا ہو گئے ہیں صاحب ؟

کتب فروش :- (غصّے سے بے قابو ہو کر) آپ ہی کی طرح کے جاہل ہیں الگ

جاہل کا کلام سننے کے لئے جمع ہو گئے ہیں! (اجنبی سٹ پٹا کر چلا جاتا ہے، لوگ قہقہہ لگاتے ہیں) ایک سے ایک چلا آتا ہے۔ صبح سے دوکان کھول کر بیٹھے ہیں، جو بھی ہے، طرح طرح کے سوالات لے کر پہنچ جاتا ہے۔ خرید و فروخت کی بات ہی نہیں۔ لاحول ولا قوۃ!

کورس:۔ بیٹھے ہیں سب دُکان لگا پیٹ کے لئے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلّے بچھا بچھا
جُبّے پہن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا
عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دُکان لگا پیٹ کے لئے

نٹ کھٹ اُچکے چور دغا باز راہ مار
عیّار جیب کترے، دغا باز ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلّی بھی مارتی ہے چوہا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دُکان لگا پیٹ کے لئے

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر
وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور تبر
لڑتا ہے توپ تیر تفنگوں میں آن کر
کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تر بتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دُکان لگا پیٹ کے لئے

الفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے بیر
ملنے کوئی حرم کو کوئی پوجتا ہے دیر
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری سیر
کہتا ہے اب فقیر بھی دے کر دعائے خیر
بابا کچھ آج مجھ کو دلا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دُکان لگا پیٹ کے لئے

ہیں جنکے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ   خوباں بھی انکے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری چاہ   دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو واہ واہ
معشوق بھی کرے ہیں وفا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لئے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا   عابد نجومی کا بھی اسی پر ہے مدعا
ملا بھی دن گزارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا   شاعر بھی دیکھئے تو قصیدے سنا سنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لئے

جن کا شکم بھرا ہے وہ ہنستے ہیں شل پھول   خالی ہے جس کا پیٹ وہ روتا ہے ہو ملول
جب تک اس گڑھے میں نہ ڈالے آکے خاک دھول   سوجھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لئے

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لئے   سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لئے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لئے   پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لئے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لئے

زردار مال دار گدا شاہ کیا وزیر   سردار کیا غریب تونگر ہو یا فقیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی حال میں اسیر   اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبروئے خدا پیٹ کے لئے
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لئے

(فقیروں کا گانا ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ گگڑی والا بائیں راستے سے بہت

تیزی سے داخل ہوتا ہے۔ چہرے پر بشاشت، ہونٹوں پر گانا۔ اس کے پیچھے بچے شور مچاتے ہوئے ایک قطار میں داخل ہوتے ہیں۔ گگڑی والا پان والے کی بنچ پر بیٹھ جاتا ہے، اور بڑی خوش الحانی سے گا گا کر گگڑی بیچتا ہے۔ نظم کا ہر بند دو چار آدمیوں کو گگڑی کا خریدار بنا لیتا ہے)

گگڑی والا:۔

پہنچے نہ اس کو ہرگز کابل درے کی گگڑی
نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی گگڑی
نے چین کے پرے کی اور نے ورے کی گگڑی
نے دکھن اور نہ ہرگز اس پرے کی گگڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی گگڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی گگڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی نلکیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں
مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی گگڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی گگڑی

کوئی ہے سیدھی مائل کوئی ہری بھری ہے
پکھراج منفعل ہے پنے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر کی ہری ہے
سیدھی ہے سو وہ یار و رانجھا کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی گگڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی گگڑی

چھوٹے ہیں برگ گل سے کھانے میں کرکری ہے
گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے
گگڑی نہ کہیے اس کو گگڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی گگڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی گگڑی

بیل اسکی ایسی نازک جس نے لطف بیچ کھائی — بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کر رائی

دیکھ اس کی ایسی نرمی باریکی اور گلائی — آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کا فراسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار بار واس جا کی کھائے ککڑی — پھر جا کہیں کی ہرگز اس کو نہ بھائے ککڑی

دل تو لطیف غش ہے یعنی منگائے ککڑی — ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے، ہائے ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کا فراسکندرے کی ککڑی

(پیچھے کے دروازے سے گاتا ناچتا نکل جاتا ہے۔ بائیں راستے سے تربوز والا گاتے ہوئے، داخل ہوتا ہے اور دائیں سے باہر چلا جاتا ہے)

تربوز والا:۔ کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز

کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز

دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز

جس طرف دیکھیے، بہتر سے ہے بہتر تربوز

اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

(چلا جاتا ہے)

لڈو والا:۔ (بائیں راستے سے گاتا ہوا آتا ہے)

ہم کو تو ہیں گے دل سے خوش آتے تل کے لڈو

جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈو

کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈو

ہم نے بھی گڑ منگا کر بندھوائے تل کے لڈو

(پیچھے کے دروازے سے نکل جاتا ہے)

(برتن والا اپنی دوکان ہی پر مٹکا بجاتے ہوئے گانا شروع کر دیتا ہے)

برتن والا:-

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی — جس سے کھلتی ہے ہر کلی بن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی — کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں — کورے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے میں آب کے نم میں — جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے — موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے — دوستو یہ بھی بات مانی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جبکہ ان کو گڑھتے ہیں — بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوزوں پر پھول ہار چڑھتے ہیں — ورد غلماں درود پڑھتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوزوں پر جو نظیر جوبن ہے — جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے — وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پتنگ والا :- (موج میں آکر)

ہاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا ٹھیرے ہے ہر مکاں میں بنانا پتنگ کا
ہوتا ہے کترنوں سے بنانا پتنگ کا کرتا ہے شاد دل کو اڑانا پتنگ کا
کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

ہر لحظہ اس بہار سے اڑتا ہے للسرا بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل کے اڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا گھائل جو عشق کے ہیں وہ کہتے ہیں برملا
ہے دل میں خوب شوق بڑھانا پتنگ کا

اڑنا لنگوٹیے کا ہے کچھ ایسا ارجمند گوشے سے دیکھنے جسے آوے لنگوٹ بند
اور چاند تارے کی بھی چمک چاند سے دوچند اڑنا پہاڑیے کا بھی ہے اس قدر بلند
اکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا

اڑنا گلہریے کا بھی میں کیا کروں بیاں دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلہریاں
اور ہے دودھاریے کی بھی کچھ اور آن بان حیراں ہو جس سے تیغ نگاہِ پری رخاں
پھر کس طرح نہ دل ہو دِوانا پتنگ کا

کٹتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اسے دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے جب اس طرح کی سیر بھلا آن کے پڑے
پھر سوچیے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہے دلپذیر ہوتے ہیں دیکھ شاد لے خورد اور کبیر
کیوں کر نہ دل پتنگ کی ہو ڈور میں اسیر خوباں کے دیکھنے کے لئے کیا یہاں نظیر
ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانا پتنگ کا

(یکایک پس منظر سے رزمیہ موسیقی کی تانیں بلند ہوتی ہیں۔ مداری ڈھول کی تال پر رقص کرتا ہوا بائیں راستے سے داخل ہوتا ہے۔ سر پر ہیٹ ہے اور اسکے ساتھ بندر کے بجائے ایک ریچھ ہے۔ مداری اسٹیج کے بیچ میں آکر رُک جاتا ہے، اور تال پر ہیٹ یکایک سر سے پھینک دیتا ہے۔ اس نے ہیٹ کے نیچے گاندھی ٹوپی پہن رکھی تھی، جو ہیٹ کے ہٹتے ہی نمایاں ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ہاتھ کے سونٹے کو موسیقی کی تال پر ایک جھٹکا دیتا ہے، تو اس میں سے ایک ترنگا کھل کر فضا میں لہرانے لگتا ہے۔ مداری گاتا گاتا ہے اور کھیل دکھاتا ہے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں)

مداری :-

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ
لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ
جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا
لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا
بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے چلا ریچھ کا بچہ

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس میں کرن پھول
مقیش کی لڑیوں کی پڑی بیچ اوپر جھول
اور ان کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے یہاں آؤ مچھندر　　　اب کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر　　　ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے یہ خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھارا　　　لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈفلی کے تئیں گت پہ بجایا　　　اس ڈھب سے اسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا کر وہاں آہ　　　پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں آہ
ہر چار طرف سے تھے کہے پیر و جواں آہ　　　سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں آہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچہ

پھر ہم نے اٹھا ہاتھ کر لٹھوں کو جو ہلایا　　　خم ٹھونک پہلواں کی طرح لڑنے کو آیا
لپٹا وہ تو کشتی کا ہنر آن دکھایا　　　وہ چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو بھایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

پھر کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا　　　للکارتے ہی اس نے ہمیں آن لتاڑا
گو ہم نے پچھاڑا اسے گہ اس نے پچھاڑا　　　اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

ان داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر　　　یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
سب نقد ملے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر　　　جو کہتا تھا ہر اک سے اسی طرح سے منہ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو زرا ریچھ کا بچہ

جس دن سے نظیر اپنے تو دلشاد یہی ہیں　　　جاتے ہیں جدھر کو ادھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحبِ ایجاد یہی ہیں　　　کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد یہی ہیں
کل چوک میں جن کا تھا لڑا ریچھ کا بچہ

(جیسے ہی مداری ٹھیٹ پھینک دیتا ہے، بازار میں ایک ہلچل ہوتی ہے۔ اور گانے کے دوران میں بازار میں بہت سی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ کتب فروش اپنی دُکان سے "کتب خانۂ ملیہ" کا سائن بورڈ نکال کر باہر جاتا ہے، اور ایک دوسرا بورڈ لاکر دُکان پر لگا دیتا ہے، اس پر لکھا ہے:- Diaries -

-for 1954 available at 20th. Cen-
-tury Book Depot

اسی طرح پنواڑی اپنی دوکان میں ماؤنٹ بیٹن، ملکہ ایلزبتھ، گاندھی جی، پنڈت نہرو، ثریا اور نرگس کی تصویریں یا ان کی تصویروں والے کلنڈر لگا لیتا ہے، ایک آدمی سائیکل لئے پان کی دوکان پر کھڑا ہو جاتا ہے، درزی باہر جاکر ہاتھ کی ایک مشین دوکان میں لے آتا ہے، بیسویں صدی کے آدمی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، سوٹ یا پھولدار امریکن بش شرٹ پہنے، سگریٹ کا دُھواں اڑاتے۔

اسی ہنگامے میں ہولی گانے والوں کی ایک ٹولی آتی ہے، ان میں کچھ مرد، عورتوں کے لباس میں ہیں، پیچھے کے دروازے سے آتے ہیں، اور اسٹیج کے بیچ میں آکر گاتے بجاتے اور تھرکتے ناچتے ہیں، اور فضا کو گلال اور موسیقی کے شور سے رنگین بناتے ہوئے، بائیں راستے سے نکل جاتے ہیں)

ہولی گانے والے:-

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دَف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گلزار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو
کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گلکاری ہو
منہ لال گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو
اس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو
سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو بے ہوشی ہو بھڑوے کے منہ میں گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویوں کے لڑکے

ہر آن گھڑی گت بھرتے کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتا دیں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑ اڑ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(یہ لوگ گاتے بجاتے بائیں راستے سے نکل جاتے ہیں۔ ان کے ہٹتے ہی پیچھے کے دروازے سے آتے ہوئے بچوں پر نظر پڑتی ہے۔ یہ بچے ایک جلوس کی صورت میں قطار در قطار خاموشی سے آتے ہیں۔ اور اسٹیج پر دائیں بائیں سامنے، بیچ میں اور پیچھے ایک خاص ترتیب سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے جسم پر چیتھڑے ہیں، چہرے پر مفلسی اور افسردگی، ایک ہاتھ میں بھیک کے ٹھیکرے، اور دوسرے میں مختلف عنوانات کے اشتہار، بورڈ اور پلیکارڈ۔ ایک کے ہاتھ میں نظیر کی قد آدم تصویر ہے، دوسرے کے ہاتھ میں ایک اعلان نامہ:

"یوم نظیر!
انڈو پاک مشاعرہ!"

کسی کے ہاتھ میں ترنگا ہے، اور کسی کے ہاتھ میں "یوم آزادی" کا ایک پلیکارڈ۔

ان بچوں کے بالکل پیچھے فقیر "آدمی نامہ" گاتے ہوئے، اندر آتے ہیں۔ اس نظم میں نہ صرف اسٹیج پر کے سب لوگ شامل ہو جاتے ہیں، بلکہ اسٹیج کے پیچھے کام کرنے والے بھی۔ نظم کے دوران میں کچھ لوگ ہال سے اٹھ کر اسٹیج پر آتے ہیں، اور کورس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ہر بند ایک نیا آدمی اٹھاتا ہے، اور ٹیپ کے بند میں سب ایک ساتھ

تین بار دہراتے ہیں، اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی!" ان کی آواز میں
ترحم کے بجائے، قوت اور عزم کا جذبہ شامل ہے)

کورس:۔ دُنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
ہے آدمی کا حُسن میں اور قبح میں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادیٔ رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
قرآن آدمی ہی پڑھیں اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہے نکلتا ہے ہیرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑے بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس میں جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
کیس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر غلام آدمی، اور آدمی مزدور
یاں تک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جا ضرور
اور اس نے جو پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا
بدشکل بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اِک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے کے ان کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرتے ہی آدمی کا کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کے کاروبار
اور جو کہ مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کام دلپذیر
یاں آدمی مرید ہے اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(گانے والوں کی آواز اور سازوں کی صدا یکبارگی بہت اونچی اٹھتی ہے،
اور بہت تیزی سے پردہ گر جاتا ہے۔)

لباس

فقیر:۔ کفنی، لمبی ٹوپی، تہمد، گلے میں بڑے موتیوں کے مالے۔ کانوں میں بالے۔ کندھے پر کشکول۔ ہاتھ میں کڑے اور ڈنڈا۔

گگڑی والا:۔ اونچی سی دھوتی، میلا سا کرتا، سر پر پگڑی نما ایک انگوچھا۔

تربوز والا:۔ اونچی سی دھوتی، میلا سا کرتا، اوپر ایک پرانی سی مرزئی۔ سر پر ایک میلے کپڑے کی پگڑی۔

لڈو والا:۔ بہت میلی دھوتی۔ میلا کرتا، سر پر کالی ٹوپی میلی سی۔

برتن والا:۔ اونچی سی دھوتی۔ آدھی آستین کا شلوکا۔ سر پر پتلی سی میلی پگڑی۔

پتنگ والا:۔ سلیم شاہی جوتا، چست پاجامہ۔ ململ کا پھولدار کرتا۔ کامدار صدری۔ پلے دار ٹوپی۔

مداری:۔ لانگ بوٹ، دھوتی، خاکی رنگ کی یا ملیشیا کی فوجی قمیص۔ پرانے زمانے کا لمبا سا پرانا کوٹ۔ ہیٹ (پرانی سی) جھولا۔ ڈنڈا۔ ڈگڈگی۔

بندر:۔ بندر کا لباس کپڑے کا بنا ہوا اور ماسک (چہرہ)

کتب فروش:۔ سلیم شاہی جوتا۔ اونچا سا شرعی پاجامہ۔ نیچا نیچا کرتا (گیروے یا کسی اور رنگ کا) مولویوں والی ٹوپی۔ کندھے پر بڑا سا رومال۔

شاعر نما آدمی:۔ سلیم شاہی جوتا (کامدار) چست پاجامہ۔ کرتا۔ انگرکھا یا اچکن۔ مخمل کی کشتی نما ٹوپی۔

ہمجولی:۔ سلیم شاہی جوتا (کامدار) چست پاجامہ۔ کرتا۔ انگرکھا یا اچکن۔ دوپلی ٹوپی۔

تذکرہ نویس:۔ سلیم شاہی سادہ جوتا۔ شرعی پاجامہ۔ لمبا کرتا۔ صدری۔ جیبی گھڑی۔ مع زنجیر و قطب نما۔ عبا۔ عمامہ۔ سنہرے فریم کی چھوٹے بیضاوی شیشوں کی عینک۔

پرانی وضع کی پگڑی۔

پتنگ کا گاہک :۔ سلیم شاہی کا مدار جوتا، چست شفاف پاجامہ، رنگین کمربند، ململ کا کرتا پھولدار، شوخ رنگ کی صدری، سر پر مخمل کی کشتی نما ٹوپی۔

گھوڑوں کا تاجر :۔ پرانا سا مضبوط سلیم شاہی جوتا، رنگین چست پاجامہ، انگرکھا، سپاہیانہ انداز کی پگڑی۔

راہگیر :۔ اچکن۔ کرتا۔ پاجامہ۔ ٹوپی۔

کتاب کا گاہک :۔ پاجامہ۔ اچکن۔ پگڑی۔ چھڑی۔ سلیم شاہی جوتا۔

پان والا :۔ کرتا۔ دھوتی۔ دوپلی ٹوپی۔

دیہاتی :۔ پگڑی۔ کرتا۔ دھوتی۔ صدری۔ شال۔ ڈنڈا۔

ریچھ والا :۔ پھٹا ہوا گرم کوٹ۔ پھٹی ہوئی ہیٹ (نیچے گاندھی ٹوپی)، پیوند لگی پتلون۔ بوٹ۔

ریچھ :۔ کالا کمبل اور ماسک (ریچھ کا چہرہ)

لڑکی :۔ رنگین چست پاجامہ۔ ڈھیلا ڈھیلا لمبا رنگین کرتا۔ چھوٹی سی اوڑھنی۔

اجنبی :۔ دوپلی یا کامدار مخمل کی ٹوپی۔ پھولدار سفید کرتا چست پاجامہ۔ رنگین کمربند۔ سیاہ پیٹنٹ کا پمپ یا کامدار سلیم شاہی جوتا۔ ایک ہاتھ میں رنگین رومال۔ دوسرے ہاتھ کی کلائی میں پھولوں کا گجرا۔

سامان

کتابوں کی دوکان :۔ طرح طرح کی مجلد اور غیر مجلد کتابیں۔ رجسٹر۔ قلمدان۔ جنتریاں وغیرہ۔ چند طغرے۔ فارسی کے قطعات۔ رُباعیاں یا متفرق اشعار۔

پتنگ کی دوکان :۔ طرح طرح کی رنگین۔ سادی، چھوٹی بڑی متعدد وضع کی پتنگیں۔ ڈور۔ مانجھا۔ چرخیاں۔

برتن کی دُکان :۔ طرح طرح کے چھوٹے بڑے مٹی کے برتن۔ ہانڈیاں۔ طشتریاں۔ پیالے۔ کونڈے۔ گھڑے۔ مٹکے وغیرہ۔

پھول کی دُکان :۔ طرح طرح کے رنگین اور سفید پھول۔ چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں۔ پھولوں کے چھوٹے بڑے ہار۔ دکانوں پر لٹکتے ہوئے پھولوں کے مختلف وضع کے زیور۔ کیلے کے پتے۔

پان کی دوکان :۔ پیتل کے شفاف برتن۔ دکتھا۔ چونا رکھنے کے لئے چھوٹی چھوٹی پیتل کی پیالیاں۔ جس میں لونگ، الائچی، تمباکو اور پان میں کھانے والے متعدد قسم کے مسالے۔

کتھئی رنگ کا یا سُرخ تول کا کپڑا۔ پیتل کا ایک بڑا برتن جس میں پانی بھرا ہو۔ بھیگے ہوئے سُرخ کپڑے پر بنے ہوئے اور سادے پان۔ ہنومان۔ کرشن۔ وشنو اور شنکر کی رنگین تصویریں۔

پینٹر کی دُکان :۔ چند مغل اور راجپوت آرٹ کی تصویریں۔ اسٹینڈ پر وہ۔ برش اور رنگ کی پیالیاں۔

گگڑی والا :۔ ایک ٹوکری اور اس میں ہری ہری ٹوکریاں۔

تربوز والا :۔ ایک بڑا ٹوکرا۔ اس میں دو ایک ثابت اور ایک آدھ کٹا ہوا تربوز۔

لڈو والا:۔ لوہے کی ایک تھالی۔ لڈو۔ اور اس کو زمین پر رکھنے کے لئے ایک اسٹینڈ۔

بندر:۔ ایک چھوٹا اسٹول۔ چھوٹا سا آئینہ۔

تذکرہ نویس:۔ ایک فائل میں تھوڑے سے لکھے اور بغیر لکھے ہوئے کاغذات۔

شاعر نما آدمی:۔ ایک بیاض۔

راہگیر:۔ ہاتھ میں ایک پرانی سی کتاب۔

درزی کی دکان:۔ پہلے بن سلے بہت سے کپڑے۔ کچھ تیار جو دیوار پر ٹنگے ہوں گے اور کچھ قطع کئے ہوئے۔ سوئی۔ تاگا۔ قینچی۔ فیتا (کپڑے کا) مشین کپڑا سینے کی۔ وقت بدلنے پر)

پنساری کی دکان:۔ بوریاں (اناج کی) گھی کے کنستر۔ ٹوکریوں میں مرچ نمک اور دوسرے مسالے۔ اچار کے مٹکے۔ اچار کی چھوٹی ہانڈی اچار دینے کے لئے۔

کتب فروش:۔ مسلمان شعرا اور صوفیوں کے اقوال، اشعار۔ قطعات۔ طغروں کی شکل میں۔ تاج۔ قلعہ آگرہ اور فتح پور سیکری کی عمارتوں کی تصویریں۔

ہولی کھیلنے والے:۔ تھالی۔ گلال۔

پروڈکشن

پہلی بار "آگرہ بازار" ایکانکی ناٹک کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ پہلے ریہرسلوں کے دوران میں، میں نے ڈرامے میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ کچھ اسٹیج کا تقاضا دیکھ کر، کچھ آرٹسٹوں کی سہولت کا خیال کر کے، اور کچھ وقت کی کمی کے باعث ڈرامے کو کاٹ چھانٹ کر سوا گھنٹے کا بنا دیا۔

اب جب کہ ڈراما دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے، تو اوّل تو میں نے اِسے دو ایکٹ کا بنا دیا ہے۔ پھر یہ کہ اس میں مزید ردّ و بدل، اور مکالموں اور نظموں کے اضافے کر دیئے ہیں، اور اس طرح اسے پورے دو گھنٹے کا ڈراما بنا دیا ہے۔

کتاب کا مسودہ اور بھی بدل گیا ہے، یہ ڈرامے کی تیسری شکل ہے۔ اس میں محض ڈراما پڑھنے والوں کے نقطۂ نظر سے نظیر کی نظمیں اور اشعار بڑی تفصیل سے درج کیے گئے ہیں۔

جو لوگ ڈراما کھیلنا چاہتے ہیں، وہ اگر پورا ڈراما نہ کھیل سکیں، تو اسے جتنا چاہیں چھوٹا کر لیں، اور ضرورت ہو تو ایک سین کا بنا لیں۔ نظموں کے بارے میں میرا تجربہ یہ ہے کہ اسٹیج پر سوائے "شہر آشوب" اور "آدمی نامہ" کے، جن کے ۵ یا ۶ بند ڈرامے کو بوجھل نہ بنائیں گے، دوسری کوئی نظم چار بند سے زیادہ نہ ہونی چاہیے اور ان میں بھی بیشتر نظموں کے تو صرف تین بند گائے جائیں تو مناسب ہوگا۔ اختصار و تخفیف کے لئے سب سے زیادہ گنجائش ان مکالموں میں ہے، جو کتب فروش کی دکان پر بولے جاتے ہیں۔

جہاں تک کاسٹ کا تعلق ہے، یہ ڈراما ۵، ۷ آدمی بھی کھیل سکتے ہیں، اور

۲۰ بھی۔ اس سے ڈرامے کی فضا پر کوئی بنیادی اثر نہیں پڑے گا۔

کالج کے طلبا کے لیے، اس میں یہ سہولت ہے کہ کاسٹ میں کوئی عورت نہیں، اور سیٹ ایک ہی ہے۔ ڈراموں کے یہ دو شعبے اکثر تھیٹر والوں کو بہت ستاتے ہیں۔

ڈراما کھیلنے والوں کے لیے، اور خاص طور سے پروڈیوسر کے لیے لازمی ہے کہ وہ اردو شاعری سے دلچسپی رکھتا ہو، اور اسے نظیر کے کلام اور زندگی، اور اس زمانے کے سیاسی اور سماجی ماحول کی پوری پوری واقفیت رکھتا ہو۔

کتب فروش کی دکان اور پتنگ فروش کی دکان، یہ دو مقامات ڈرامے کے اہم ترین مراکز ہیں۔ یہ دو دکانیں سب سے زیادہ آراستہ اور اسٹیج کے سب سے نمایاں حصوں میں ہونی چاہئیں۔ باقی دکانوں کے سلسلے میں اسٹیج اور کام کرنے والوں کی ضرورت اور استعداد کے مطابق کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ راستے کم سے کم تین ہوں گے، اور اگر زیادہ رکھے جائیں، تو ان کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔

<u>سیٹ</u>:۔ اسٹیج کناری بازار کا منظر پیش کر رہا ہے۔ دونوں طرف دکانیں ہیں، جو پیچھے دور تک چلی گئی ہیں۔ پیچھے بیچوں بیچ میں ایک دروازہ ہے، جو تاج گنج کے دروازے سے مشابہ ہے۔ اس دروازے کے پیچھے ایک تصویر پر دور تک بازار پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اور بازار سے پرے جمنا بل کھاتی ہوئی بہہ رہی ہے، جس کے ایک کنارے پر قلعہ کی اور دوسرے پر تاج محل کی دھندلی سی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔

پیچھے کے دروازے کے علاوہ اسٹیج کے سامنے دائیں بائیں دو راستے اور ہیں، ہال میں سے اسٹیج پر جانے کے لیے، جو ایک سیڑھی اسٹیج پر لگی ہے، اسے فقیر ڈرامے کی ابتدا میں استعمال کرتے ہیں۔ اس راستے کو چوتھی سڑک تصور کیجیے۔ گویا تماشا ایک چوراہے پر کھیلا جا رہا ہے۔

بائیں طرف اسٹیج کے سامنے کتب فروش کی دکان ہے، اور اس دکان کے

مقابل دائیں طرف ایک بند دکان! یہ دکان پتنگ فروش کی ہے۔ ان دکانوں کے ارد گرد کمہار، پنواڑی، رنگ ریز، درزی، غلہ فروش، عطار، گل فروش، طبیب وغیرہ کی دکانیں ہیں۔

پنواڑی کی دکان دائیں سڑک سے لگی ہوئی اسٹیج کے بالکل آگے ہے۔ برتن والے کی دکان کتب فروش کی دکان کے برابر اس کے پیچھے ہے۔ کتب فروش کے ہاں پرانی قسم کی کتابوں اور مسودوں کا ڈھیر لگا ہے۔ مولوی صاحب گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں، قلمدان پر ایک رجسٹر کھلا ہوا رکھا ہے، حقہ پیتے جاتے ہیں، اور سوچ سوچ کر کچھ لکھتے جاتے ہیں۔ دکان کے سامنے نیچے سڑک پر ایک طرف ایک بنچ پڑی ہے، اور دوسرے کونے میں ایک اسٹول رکھا ہے۔ دکان کے اندر کچھ طغرے لٹک رہے ہیں۔ پان والے کے ہاں پان کے سامان کے علاوہ کچھ ہندو دیوتاؤں کی تصویریں ہیں۔ دکان کے سامنے ایک بنچ بچھی ہے۔ اسی طرح پتنگ والے کی دکان کے سامنے ایک دو بنچیں پڑی ہیں، برتن والے اور دیگر دکان داروں کے ہاں بھی۔ پتنگ کی دکان ٹاٹ کے پردے سے بند کر دی گئی ہے، یا اس کا ٹین کا سائبان، جو دو بانسوں کی مدد سے کھڑا کر دیا جاتا ہے، دکان پر پڑا ہوا ہے۔ جب دکان کھولی جاتی ہے، تو گویا رنگینیوں کا ایک چمن کھل جاتا ہے۔ دکان، ہر نوع، ہر رنگ، ہر بہار کی پتنگوں سے آراستہ ہے۔ چھت سے طرح طرح کی ریلیں، چرخیاں، ڈور اور مانجھے لٹک رہے ہیں۔ کمہار نے اپنے کورے برتنوں پر بہت حسین نقش و نگار بنا رکھے ہیں۔ دکان کے پاس ہی اس کا گدھا بندھا ہوا ہے۔ پیچھے کی طرف کسی دکان کی آڑ میں ایک بیل گاڑی کھڑی کر دی گئی ہے جس کا صرف ایک حصہ نظر آ رہا ہے۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ اس کے بیل پاس ہی کہیں جگالی کر رہے ہوں گے۔ کتب فروش کی دکان پر دو گاہک کتابیں دیکھتے ہوئے کھڑے ہیں، ایک آدمی پان کی دکان پر کھڑا ہے۔ کچھ لوگ ادھر سے ادھر گزر رہے ہیں۔ ڈرامے کے دوران میں بھی راہگیر اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ دو بھکاری اسٹیج کے پیچھے ایک کونے

میں بیٹھے ہیں جب بھی کوئی گزرتا ہے، یہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر صدا لگاتے ہیں، یہ بیچ بیچ میں کبھی کبھی اُٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر بعد پھر واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک بے کار، بے فکر نوجوان تیجّے کے دروازے سے ٹکا ہوا بیٹھا ہے، یہ اکثر یہیں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے، اسٹیج کے ایک حصے میں کچھ بچے کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں۔

لوگوں کا لباس اٹھارویں اور انیسویں صدی کے آگرے کا ہے۔ بازار میں دیہاتی اور متوسط طبقے کے لوگ چل کر پھر رہے ہیں، لین دین بند ہے، دکانوں پر حقہ اور گپیں چل رہی ہیں، کوئی دکان دار سو رہا ہے، کوئی فرش پر دوستوں کے ساتھ بیٹھا چھ گٹی کھیل رہا ہے۔ انتشار، بے روزگاری اور بے دلی کی فضا ہے۔ جسے مداری کا تماشا ایک مرکز پر لے آتا ہے۔

کہانی کا ارتقا :-

پروڈکشن کے لحاظ سے پلاٹ کو چار موٹے موٹے حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

(۱) عوام کا افلاس اور بے روزگاری۔ (۲) ادیبوں کا تساہل، تعصب اور زندگی سے فرار (۳) چھوٹے پیشہ وروں میں نظیرؔ کی مقبولیت (۴) نظیرؔ کا پیغام۔

پہلے حصے میں بازار کی فضا قائم ہوتی ہے، مداری تاریخی پس منظر پیش کرتا ہے، اور اس کی اکثر باتیں نظیرؔ کی نظموں کی طرف ہلکے ہلکے اشارے کرتی ہیں، مثلاً برسات، جاڑا، موت، بلدیوجی کا میلا، پتنگ، ہولی وغیرہ۔ بیوپار کی سرد بازاری کا پتہ چلتا ہے، اور ککڑی والے کا مسئلہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ افلاس کی لعنت، ککڑی والے کی جستجو، اس کی ابتدائی ناکامیاں، یہ وہ سیڑھیاں ہیں جو پلاٹ کو ڈرامے کی پہلی کشمکش کی طرف لے جاتی ہیں۔

دوسرے حصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے تذکرہ نویس، شاعر اور ادیب تساہل، تعصب اور توہم کے شکار ہیں۔ ان کی ادبی قدریں زندگی سے فرار، مایوسی اور یاس کی تلقین کرتی ہیں۔ صحت مند اور افادی ادب، جس کا عوام کی زندگی اور ان کے روزمرّہ

کے مسائل سے گہرا تعلق ہو، ان کی نظر میں عامیانہ اور گھٹیا ادب ہے۔ اور یہی ادب اور یہی شاعری سارے بازار میں گونجی ہوئی ہے۔

ککڑی والے کی جستجو جاری ہے، وہ ایک ایک کے پیچھے پھر رہا ہے کہ کوئی چند شعر اس کی ککڑی پر لکھ دے۔ اس کی مایوسی بڑھ رہی ہے، قدم سست پڑ رہے ہیں اور آخر میں وہ تھک کر بیٹھ رہتا ہے۔ یہاں ڈرامے کی کش مکش مکمل ہو جاتی ہے اور ہمارا پہلا ایکٹ ختم ہوتا ہے۔

تیسرا حصہ پتنگ والے کا کردار پیش کرتا ہے۔ اس کے کردار میں نظیر کی شخصیت کی گہری جھلک ہے۔ اس کی زبان سے ہم نظیر کے کردار اور اس کی زندگی سے پہلی بار آشنا ہوتے ہیں۔ ڈراما عروج پر ہے۔ نظیر کی نظمیں سن کر متعصب ادیب اور مؤرخ چیں بہ جبیں ہیں، اور عوام واہ واہ کر رہے ہیں۔ یہ ادیب "پست مذاق" لوگوں کا مجمع دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ڈراما پلٹا کھاتا ہے، اور پتنگ فروش کی دکان ڈرامے کی ارتقائی منزلوں کا نقطۂ عروج بن جاتی ہے۔

آخری حصہ میں ککڑی والے کا مسئلہ حل ہوتا ہے، اور نظیر کی عام مقبولیت کا اظہار۔ بغیر کسی نعرہ بازی کے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ادب کا زندگی سے گہرا تعلق ہے، اور عوام کے لئے اعلیٰ شاعری تخلیق کی جا سکتی ہے۔ نظیر کی انسان دوستی اور ہمہ گیری پورے طور سے ابھر کر اس وقت آتی ہے، جب سب مل کر "آدمی نامہ" گاتے ہیں۔ اس نظم میں ترحم کا نہیں، بلکہ عزم اور جلال کا انداز ہوتا ہے، اس کا پیغام آج کا پیغام ہے کہ:

جو مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی